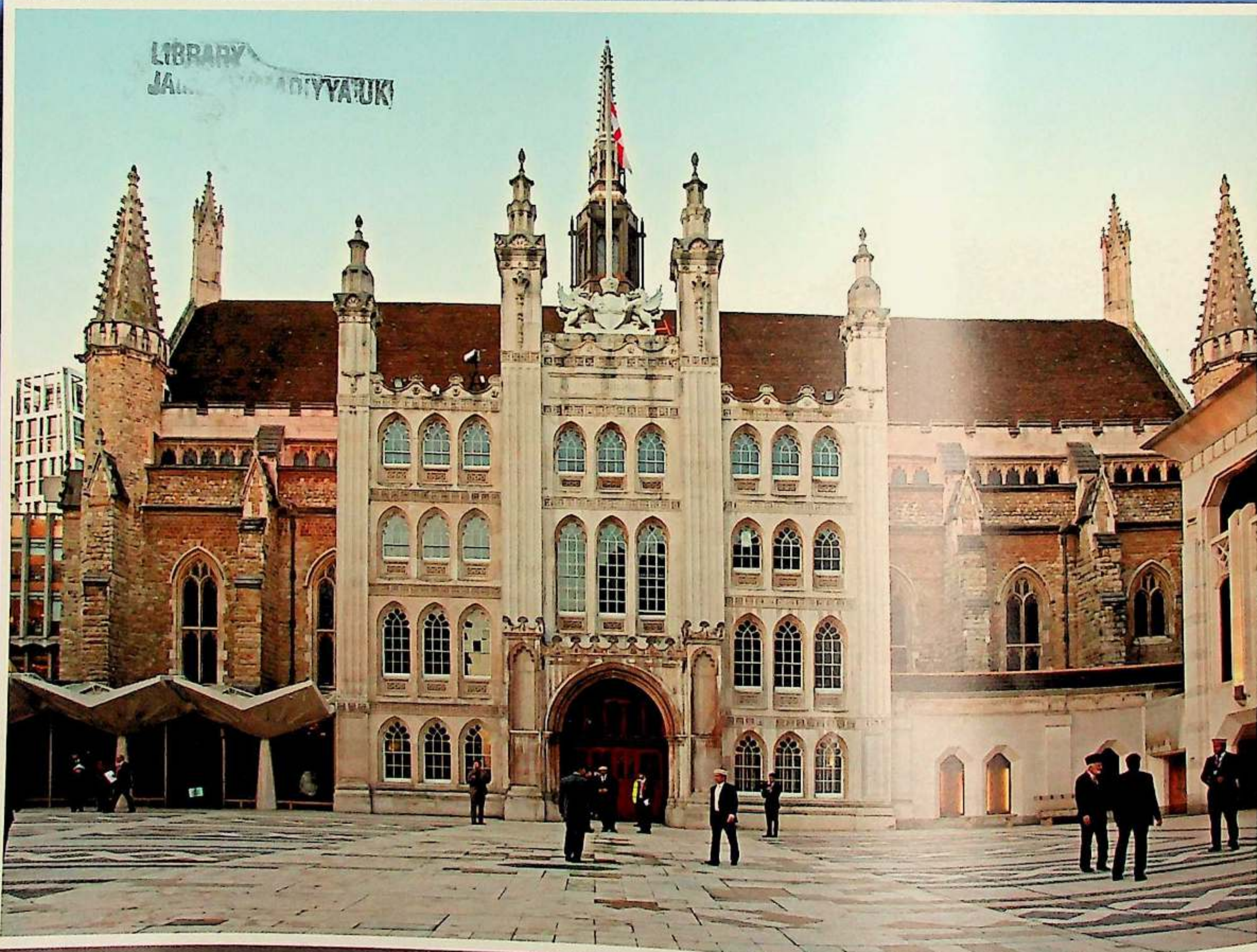
مجلس انصار اللہ یوکے کا علمی تعلیمی و تربیتی مجلہ

انصار الدین

صلح۔ تبلیغ 1393 ہش — جلد 11 نمبر 1 — جنوری۔ فروری 2014ء

گلڈ ہال لندن



سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز گلڈ ہال میں خطاب فرما رہے ہیں

معزز نمائندگان سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصار الدین

جلد 11   نمبر 1   جنوری وفروری 2014ء

فہرست مضامین

= درس القرآن + حدیث النبی ﷺ 2
= کلام الامام ۔ امام الکلام 3
= فرمودات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ 3
= تاریکی سے روشنی کا سفر
(مکرم واحد اللہ جاوید صاحب کا قبول احمدیت) 4
= اصحاب احمدؑ کا انفاق فی سبیل اللہ 11
= علم اور علماء 16
= انصار ڈائجسٹ
(کتاب ''میری پونجی'' پر تبصرہ) 21

انصار اللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔
نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

صدر مجلس انصار اللہ
چودھری وسیم احمد

مدیر اعلیٰ: **ڈاکٹر شمیم احمد**

مدیر: **محمود احمد ملک**

نائبین: حبیب الرّحمٰن غوری، صفدر حسین عباسی، عبدالحفیظ شاھد

مینیجر: **محمود علی مرزا**
ترسیل: فیاض احمد ملھی (انچارج)
میاں اخلاق احمد، رانا ظھور احمد، سعادت جان

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ
کیا آپ حضرت امیر المومنین
خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات
اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے
روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں
اور ھفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF   e-mail address: ansaruddinuk@hotmail.com

درس القرآن

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سورۃ الکافرون کی آیت لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لفظ دِیْن کے پہلے معنے اَلطَّاعَۃُ یعنی فرمانبرداری کے ہیں۔ان معنوں کی رُو سے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے منکرو! چونکہ تمہارا طریقِ اطاعت اور اصولِ اطاعت اور میرا طریقِ اطاعت اور اصول اطاعت الگ الگ ہے اس لئے مَیں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرسکتا اور تم میرے معبود کی اطاعت کرنے سے عملاً قاصر ہو۔کیونکہ میرے اصول کے ماتحت بُتوں کی اطاعت نہیں ہوسکتی اور تمہارے اصول کے ماتحت خدائے واحد کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔

......اس دنیا کا خالق و مالک خدائے واحد ہے۔اس کے احکام کی ہر شخص کو فرمانبرداری کرنی چاہئے۔ چنانچہ فرمایا:فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا (الحج) کہ اے لوگو!تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کی فرمانبرداری کرو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح فرمانبرداری کی جائے؟ کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے احکام دینے کے لئے خود دنیا میں نہیں آتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک وہ خود دنیا میں نہیں آتا لیکن وہ اپنے رسول بھیجتا ہے اور ان کے ذریعہ لوگوں کو تعلیم دیتا ہے۔جیسا کہ وہ فرماتا ہے لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ (انعام) یعنی عقلیں اُس تک نہیں پہنچ سکتیں۔مگر وہ خود عقلوں تک پہنچنے کے ذرائع اختیار کرتا ہے۔پس ایک رسول کی آواز سن کر یا تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ جھوٹا ہے اور اس پر کلامِ الٰہی اور شریعت نازل نہیں ہوئی۔اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ رسول ہی نہیں ہے۔اور اگر وہ سچا ہے اور اس پر الہامی شریعت نازل ہوئی ہے تو پھر اس کا انکار کرکے کوئی شخص خدا تعالیٰ کا مطیع نہیں کہلاسکتا۔پس جو لوگ رسولوں کو مان لیتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرنے والے ہوتے ہیں۔اور جو انکار کرتے ہیں وہ صحیح راستہ سے بھٹک جاتے ہیں۔

اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ دنیا کی ہدایت کا سامان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہو۔اس لئے جو ان کی اتباع کرے گا وہی اللہ تعالیٰ کا متبع اور مطیع قرار پاسکتا ہے۔اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء) کہ اے محمد رسول اللہ! اب ہم نے ساری دنیا کی ہدایت کا سامان تیرے ذریعہ سے کیا ہے۔جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرے اُسے چاہئے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے کیونکہ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے''۔

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے۔اس موقعہ پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سورۃ الجمعہ کی آیت ﴿وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ نازل ہوئی۔

مَیں نے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ مَیں نے تین دفعہ یہ سوال کیا۔

اس وقت ہم میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ سلمان فارسیؓ کے کاندھے پر رکھا اور پھر فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوگا تب بھی ان میں سے کچھ مرد یا ایک مرد اسے واپس لے آئے گا۔

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ باب وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خَيْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلُهَا وَآخِرُهَا۔ اَوَّلُهَا فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاٰخِرُهَا فِيْهِمْ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ وَ بَيْنَ ذٰلِكَ فَيْجٌ اَعْوَجُ لَيْسُوْا مِنِّيْ وَ لَسْتُ مِنْهُمْ یعنی امتیں دو ہی بہتر ہیں ایک اول اور ایک آخر اور درمیانی گروہ ایک لشکرِ کج ہے جو دیکھنے میں ایک فوج اور روحانیت کے رُو سے مردہ ہے نہ وہ مجھ سے اور نہ میں ان میں سے ہوں۔

حدیث صحیح میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ اَوْ رِجَالٌ مِّنْ فَارِسَ۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخری زمانہ میں فارسی الاصل لوگوں میں سے ایک آدمی پیدا ہوگا کہ وہ ایمان میں ایسا مضبوط ہوگا کہ اگر ایمان ثریا میں ہوتا تو وہیں سے اس کو لے آتا اور ایک دوسری حدیث میں اسی شخص کو مہدی کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے اور اس کا ظہور آخری زمانہ میں بلاد مشرقیہ سے قرار دیا گیا ہے۔''

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد نمبر 5 صفحہ 216 تا 218)

کلام الامام علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا، مگر صالح بندوں کی۔ آپس میں اخوت اور محبت کو پیدا کرو اور درندگی اور اختلاف کو چھوڑ دو۔ ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے کنارہ کش ہو جاؤ، کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دُور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دیوے۔ اللہ تعالیٰ سے ایک سچی صلح پیدا کر لو اور اس کی اطاعت میں واپس آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے اور اس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور میں آتے ہیں۔

تم یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان میں تم اپنے تئیں لگاؤ گے اور اس کے دین کی حمایت میں ساعی ہو جاؤ گے تو خدا تمام رکاوٹوں کو دور کر دے گا اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسان عمدہ پودوں کی خاطر کھیت میں سے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور کھیت کو خوش نما درختوں اور بارآور پودوں سے آراستہ کرتا اور ان کی حفاظت کرتا اور ہر ایک ضرر اور نقصان سے ان کو بچاتا ہے، مگر وہ درخت اور پودے جو پھل نہ لاویں اور گلنے اور خشک ہونے لگ جاویں، ان کی مالک پروا نہیں کرتا کہ کوئی مویشی آکر ان کو کھا جاوے یا کوئی لکڑہارا اُن کو کاٹ کر تنور میں پھینک دیوے۔ سو ایسا ہی تم بھی یاد رکھو اگر تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں صادق ٹھہرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دے گی۔ پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو، تو پھر اللہ تعالیٰ کو کسی کی پروا نہیں۔ ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں ہر روز ذبح ہوتی ہیں پر اُن پر کوئی رحم نہیں کرتا اور اگر ایک آدمی مارا جاوے تو کتنی باز پرس ہوتی ہے۔ سو اگر تم اپنے آپ کو درندوں کی مانند بیکار اور لاپرواہ بناؤ گے، تو تمہارا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ چاہئے کہ تم خدا کے عزیزوں میں شامل ہو جاؤ تا کہ کسی وَبا کو یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے، کیونکہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر ہو نہیں سکتی۔ ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش اور عداوت کو درمیان میں سے اُٹھا دو کہ اب وہ وقت ہے کہ تم ادنیٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور عظیم الشان کاموں میں مصروف ہو جاؤ......۔ اس بات کو وصیت کے طور پر یاد رکھو کہ ہرگز تندی اور سختی سے کام نہ لینا۔''

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 174-175۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

فرمودات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک خطبہ جمعہ (ارشاد فرمودہ 20 دسمبر 2013ء) میں فرماتے ہیں:

''بیشک ہم نے عقیدہ کے میدان میں بہت عظیم الشان فتح حاصل کر لی ہے، یہاں تک کہ وہی عقائد جن کو جب جماعت کی طرف سے پیش کیا جاتا تھا تو دشمن کی طرف سے سختی سے انکار کیا جاتا تھا لیکن آج بعض دشمن بھی اُن باتوں کے قائل ہو رہے ہیں۔ ایسے بھی مسلمان ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر نہیں گئے یا انہوں نے نازل نہیں ہونا۔ یہ کہنے یا اس بات کے قائل ہونے کی کوئی بھی وجہ ہو لیکن لاشعوری طور پر، جماعت احمدیہ کا عقیدہ اُن کے منہ بند کر کے اُن کو اس بات پر قائل کر رہا ہے۔ جہاد کے بارے میں اب بعض بڑے بڑے علماء نے یہ بیان دیئے ہیں کہ اس وقت جہاد کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے، یہ دہشت گردی ہے اور آجکل جہاد جائز نہیں اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اس بارے میں وہ جو چاہے دلیل دیں لیکن احمدیت کی تعلیم ہی اُنہیں متاثر کر رہی ہے۔ لیکن جب ہم عمل کو دیکھتے ہیں تو عمل کے بارے میں ہماری کوتاہی ہے یا کمزوری ہے کہ ابھی وہ روح ہم میں پیدا نہیں ہوئی جس روح کے تحت ہم کام کر کے دنیا کو وہ نمونہ دکھلا سکیں جس کے بعد کوئی شخص ہماری جماعت کی برتری اور فوقیت تسلیم کرنے سے انکار نہ کرے۔ ابھی تک ہم اُس تعلیم پر پورے طور پر عمل نہیں کر رہے جو عملی اصلاح کے متعلق اسلام نے پیش کی ہے۔ بلکہ اکثر اوقات دوسروں کی چھوٹی چھوٹی باتوں کی نقل کر کے اس طرف مائل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ میں نے بعض مثالیں بھی دی ہیں اور غیروں سے اپنا لوہا منوانے کی بجائے ہم نقال بن جاتے ہیں، اُن کی نقلیں کرنی شروع کر دیتے ہیں اور پھر عمل کے میدان میں بعض جگہ ہمیں شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے۔ پس ضرورت ہے کہ عمل کے میدان میں کامیابی حاصل کریں۔ ضرورت ہے کہ وہ پانی جس سے ہم نے اس زمانے میں فیض پایا ہے، اُسے بکھرا نہ دیں، ضائع نہ کریں بلکہ اُن نہروں میں سمیٹ لیں جو زمینوں کو سیراب کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں نہ کہ اُس پانی کی طرح جو ادھر اُدھر بہہ جاتا ہے۔ ہمیں اپنی حد بندیاں مقرر کرنی ہوں گی۔ اپنی عملی اصلاح کے لئے اپنے آپ پر کچھ پابندیاں لگانی ہوں گی تبھی ہم اپنے مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم نے عقائد کی دیواروں کو مضبوط کرنے کے لئے بیشک قربانیاں دی ہیں۔ جان، مال، وقت کی قربانی دی ہے اور دے رہے ہیں لیکن اعمال کی دیواروں کی طرف ہماری اتنی توجہ نہیں ہوئی جو ہونی چاہئے''۔

تاریکی سے روشنی تک......ایک روحانی سفر

(واحداللہ جاوید)



یہ کہانی میری ہی نہیں ہے ہر اس شخص کی ہے جو اندھیروں سے نکلنے اور ہدایت پانے کی ذرّہ برابر بھی سعی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسا راہبر ہے جو صرف رستہ ہی نہیں بتاتا بلکہ منزل تک بھی لے کر جاتا ہے۔ حالات و واقعات مختلف ہوتے ہوں گے مگر سب کی منزل ایک ہی ہے۔ احمدیت!۔

مجھ پر ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ خدا پر یقین ختم ہوگیا تھا۔ انسان کا خدا پر یقین کرنا آسان امر نہیں ہے۔ اُس پر یقین کرنا جو حواس خمسہ سے بالاتر ہو بہت مشکل ہے۔ یہ اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک خدا خود انسان کے دل کو یقین عطا نہ کرے۔ وگرنہ انسان 'ہونا چاہئے' تک ہی جاسکتا ہے۔ ہونے کا یقین محض فضل الٰہی ہی ہے۔ انسان کی اس مشکل کا حل اللہ تعالیٰ نے نبوت جیسی نعمت جاری فرما کر کیا ہے۔ نبی کے لفظی معنی ہی خبریں دینے والے کے ہیں۔ انبیاء آنے والے زمانے کی پیش خبری دے کر بتاتے ہیں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے مجھے بتائی ہے۔ وہ بار بار خبریں بتاتے ہیں جو صد فی صد درست ثابت ہوتی ہیں۔ اس طرح عوام الناس کو یقین ہوجاتا ہے کہ جو ہستی اپنے نبی کو اس قدر درست خبریں دیتی ہے وہی سچ ہے۔ یوں انبیاء خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ خدا کے نبی نہ صرف راستہ بتاتے ہیں بلکہ اپنے ہمراہ لے کر چلتے ہیں۔ جس طرح سڑکوں پر راہنمائی کے لئے سنگ میل یقین دلایا کرتے ہیں کہ سمت درست ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے نشانات دکھاتا رہتا ہے کہ سمت درست ہے اور منزل قریب سے قریب تر ہورہی ہے۔ آپ خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ اگر انبیاء کی پیشگوئیاں درست نہ ہوا کرتیں تو کون اَن دیکھے خدا کو مانتا؟

ہمارے آقا ومولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جتنی پیشگوئیاں کیں خدا کے فضل سے ایک ایک سچی اور درست ثابت ہوئی۔ مگر صرف احمدی حضرات کے نزدیک۔ غیر احمدی حضرات کی معذوری یہ کہ ان کے نزدیک یہ پیشگوئیاں پوری نہ ہوسکیں۔ مثلاً نہ دجال، نہ دجال کا گدھا، نہ عیسیٰ ابن مریم آسمان سے اترا، نہ لوگوں کے کان اتنے بڑے ہوئے کہ مشرق کی بات مغرب میں سن سکیں اور نہ ہی حضرت امام مہدی علیہ السلام تشریف لائے۔ وقت گزر گیا۔ ایسی بے شمار پیشگوئیاں ہیں جو پوری نہ ہوسکیں۔

خاکسار بھی انہیں تضادات کا شکار تھا اور خدا پر یقین ختم ہوچکا تھا۔ احساس اُس وقت ہوا جب نماز کے دوران سیکھا کہ اَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے۔ اندر کے 'واحداللہ جاوید' نے گواہی دینے سے روک دیا کہ تمہاری خدا تعالیٰ سے شناسائی نہیں، نہ یقین ہوا ہے تو مَیں گواہی کیسے دے سکتا ہوں؟

والدین نے اس معاملے کو کافی سنجیدگی سے لیا اور مختلف علماء کے پاس لے گئے۔ نتیجہ مزید منفی برآمد ہوا۔

رحمت کی ہوائیں

شادی ہوگئی تھی۔ بچے ہوگئے۔ زندگی گزر رہی تھی۔ مگر حالات جوں کے توں تھے۔ پھر اچانک ایک تبدیلی آنے لگی۔ عمر تیس کے قریب تھی کہ ایک رات خدا کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ اس طرح کہ وہ شب برات تھی اور مولوی حضرات خوب شور مچارہے تھے۔ تبھی خیال آیا تھا کہ مولوی حضرات لوگوں کو جھوٹ موٹ کا خدا بنا کر پیش کررہے ہیں۔

مجھے اپنی نوجوانی کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ خاکسار کے قصبہ فاروق آباد (ضلع شیخوپورہ) کے نزدیک ایک نہر بلکہ دو نہریں گوگیرہ برانچ اور قادرآباد لنک کینال ہیں۔ قادرآباد لنک کینال میں ایک نوجوان ڈوب رہا تھا اور مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا اور آس پاس کوئی نہ تھا۔ سخت گرمی تھی۔ غالباً نہا رہا تھا اور تھک کر سخت بے بس ہورہا تھا۔ مَیں نے زور سے چلاّ کر کہا: تھوڑی دیر ٹھہرو مَیں آرہا ہوں۔ اُس نے جب آواز سنی اور مجھے کپڑے اتارتے دیکھا۔ (ایسے موقع پر کپڑے کم کرنا ضروری امر ہوتا ہے) تو تسلی پکڑی۔ پیشتر اس کے کہ مَیں اس کے پاس جاتا وہ خود ہی تیز تیز ہاتھ مارتا ہوا کنارے پر مخالف سمت پہنچ گیا۔ اُس کو صرف ایک سہارا نظر آگیا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ سہارا اگر جھوٹا بھی ہو تو کام آہی جاتا ہے۔ خدا کا سہارا ہو تو اچھا ہے مگر میرے پاس نہیں ہے!۔

وہ پہلا دن بلکہ رات تھی کہ مجھے خدا یاد آیا۔ پہلی دعا کی کہ اے اللہ! اگر تم ہو تو میری سمجھ میں بھی آجاؤ مَیں نے کونسا تمہارا کوئی نقصان کیا ہوا ہے۔ یہ پہلی دعا تھی جو مَیں نے خدا تعالیٰ سے کی اور درد دل سے کی۔

وہ رات میری زندگی کی تبدیلی کی رات ثابت ہوئی۔ مَیں نے ایک رؤیا دیکھی۔ ایک کھلا میدان ہے۔ اس میں دائیں طرف ایک کمرہ ہے جس میں چند مذہبی لوگ تشریف فرما ہیں۔ مگر مَیں ان سے ملنا نہیں چاہتا اور میدان میں ہی کہیں بیٹھ کر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ مگر کوئی مناسب جگہ نظر نہیں آتی۔ دُور سے کسی جگہ کو پسند کرتا ہوں کہ گھاس گھنی ہے وہاں بیٹھ جاؤں گا۔ مگر قریب جاکر وہی گھنی نظر آنے والی گھاس بکھری بکھری نظر آتی ہے۔

کئی جگہ ایسا ہی ہوا گویا کہ بہتر جگہ یا بہتر جگہ جاتا رہا مگر کوئی جگہ پسند نہ آسکی۔ اسی جستجو میں کمرے کے آگے سے گزرا تو کمرے میں تشریف فرما ایک صاحب نے جو سب کے درمیان میں تشریف فرما تھے، پوچھا: 'اب تک کہاں رہے ہو؟' مَیں نے جواب دیا: 'یارسول اللہ! چھوڑیں۔ آتو گیا ہوں'

اس رؤیا کے بعد خاکسار کو ایسے لگنے لگا کہ خدا واقعی موجود ہے۔ جبکہ اس رؤیا کا تعلق آنے والے حالات سے تھا۔

نجات کی کوشش

اب مَیں مسلمانوں کی طرح زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ مگر مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اتنے سارے فرقوں میں کونسا ایسا فرقہ ہے جس میں شامل ہوکر نجات حاصل ہوسکتی

ہے۔ میرا ذاتی خیال اس وقت یہ تھا کہ ہر فرقہ کے لوگ دوسرے فرقے کے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ جبکہ نبی پاک ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ ''کسی کلمہ گو کو کافر کہنے والا خود کافر ہے''۔ کسی بھی فرقے میں شمولیت کفر میں شمولیت لگتی تھی۔ لہٰذا کفر سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ فیصلہ کرلیا کہ کسی فرقے میں شامل نہیں ہونا لہٰذا اپنا قرآن پڑھنا اور نماز پڑھنی خواہ کسی بھی فرقے کا مولوی امام ہو۔ ہر فرقے کی مسجد میں نماز پڑھ لینی۔

اس دوران کچھ رؤیا ایسی دیکھیں کہ دل میں خوف پیدا ہوگیا کہ موت بہت قریب ہے۔ جس کی وجہ سے میں چاہتا تھا کہ جلد سے جلد نفس مطمئنہ تک پہنچ جاؤں۔ رمضان میں اعتکاف بھی بیٹھا کہ اللہ تعالیٰ تسلی دے دے۔ قرآن کا مطالعہ اس طرح کرتا کہ حاشیے اور بریکٹ کی تحریر کو چھوڑ دیتا گویا لفظی ترجمہ ہی پڑھا کرتا تھا۔ اس مقصد کے لئے مجھے جماعت اسلامی والوں کی 'تفہیم القرآن' پسند تھی جس میں حاشیے اور بریکٹ کم لگتے تھے۔ یہ سلسلہ کچھ عرصہ ایسے ہی چلتا رہا۔

سکھ چین

میرے ایک دوست شوکت علی نام کے تھے۔ تعلیم واجبی سی تھی مگر ان کا خیال تھا کہ علم لدنی کے حامل ہیں۔ وہ خود ہی اس علم کی تشریح کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے خود علم سکھاتا ہے۔ اپنے تکیہ کلام 'سکھ چین' کی وجہ سے اسی نام سے مشہور تھے۔ اس خیال کی وجہ پیش کرتے ہوئے ایک رؤیا کچھ یوں سنایا کرتے تھے کہ دیکھا ایک جگہ ایک لمبی لائن لگی ہوئی ہے اور کوئی تبرک نما چیز تقسیم ہورہی ہے۔ وہ بھی اسی لائن میں شریک ہوجاتے ہیں۔ جب تقسیم کے مقام تک پہنچے تو ایک نورانی وجود نے پلیٹ کو دیگ میں ڈال کر ایسے نکالا جیسے بھری ہوئی ہو مگر تھی خالی پھر ان کی طرف ایسے بڑھائی جیسے پینے کا حکم دے رہے ہوں۔ سکھ چین صاحب نے دونوں ہاتھوں کو دعا کے رنگ میں ملایا اور جھک کر پینے کے انداز میں پلیٹ سے لگا دیے اور پینے لگے۔ بقول ان کے وہ ایسی خوشبو تھی کہ رگ وریشے میں سما گئی۔ پھر اُن بزرگ نے کاندھے سے کاندھا ملایا اور فرمایا پڑھو! سکھ چین صاحب نے مزید بتایا کہ جب آنکھ کھلی تو سارا کمرہ جس میں مَیں سویا تھا مہک رہا تھا اور میرا ذہن بھی مکمل طور پر تبدیل ہوچکا تھا۔ روحانی خیالات خود بخود ذہن میں آنے لگے تھے۔ ایک عجیب بات تحریر کرتا چلوں کہ جب وہ یہ خواب سنا چکے تو مجھے بھی ایک خوشبو محسوس ہوئی مگر مَیں خاموش رہا کہ ہوسکتا ہے میرا وہم ہو۔ سکھ چین صاحب نے اس موقع پر کہا کہ اب بھی آرہی ہے۔ اور مجھ سے بھی پوچھا کہ کیا آپ کو نہیں آرہی؟ مگر مَیں نے بات ٹال دی۔ سکھ چین صاحب جب بھی مجھے ملتے اولیاء اللہ کے تذکرے کرتے۔ نعت بڑی اچھی پڑھتے تھے۔ اکثر ان کی موجودگی میں مجھے وہ مخصوص خوشبو آتی تھی اور بعد میں ایسا بھی ہوا کہ اکیلے میں بھی آنے لگی۔ یہ اکثر ایسے موقع پر آتی تھی جب مَیں خدا تعالیٰ یا نبی پاک ﷺ کی طرف گہری توجہ کرتا تھا یا تلاوت قرآن پاک کرتا تھا۔ آخر ایک دن میں نے اپنے اس خیال کی تصدیق کے لئے سکھ چین سے پوچھا کہ روح افزاء کی خوشبو کیسی ہے؟ فوراً چونک کر بولے یہ وہی تو خوشبو ہے جو مجھے آتی ہے۔ گویا تصدیق ہوگئی کہ یہ میرا وہم نہیں تھا کیونکہ اسی طرح کی خوشبو مجھے محسوس ہوا کرتی تھی۔ قارئین بھی اسے وہم خیال نہ کریں۔ اس امر کی کئی طریق سے تصدیق ہوگئی تھی جس کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

مجھے سکھ چین صاحب کی رفاقت میں سکون سا محسوس ہونے لگا تھا۔ مَیں ان کی جس خوبی سے بہت متاثر تھا وہ ان کی سچائی تھی۔ میرے خیال میں وہ ایک سچے اور سادہ انسان تھے۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے سوال کردیا کہ جاوید صاحب آپ کا تعلق کس فرقے سے ہے؟ میں نے جواب دیا کہ کسی فرقے سے نہیں۔ یہ بات ان کے لئے ہضم کرنا آسان نہ تھا۔ لہٰذا کافی استفسار کرتے رہے۔ جب وہ قائل ہوگئے کہ مَیں واقعی ایسے مقام پر تھا کہ کسی بھی فرقے میں شامل نہ ہوسکتا تھا کیونکہ نبی پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق جب کسی کلمہ گو کو کافر کہنے والا خود کافر ہوگیا تو مَیں کسی فرقے میں کیسے شامل ہوسکتا تھا۔ سکھ چین صاحب مجھے کوئی فرقہ تو نہ بتا سکے مگر ایک حل ضرور پیش کردیا۔

پیر اور پیر ساز

سکھ چین صاحب کے ایک پیر، غالباً امیر حسین نام کے تھے مگر وہ انہیں بابا جی بابا جی ہی کہا کرتے تھے۔ یہ بابا جی شاہدرہ کے قریب ایک مقام پری محل میں رہائش رکھتے تھے۔ سکھ چین صاحب نے مجھے دعوت دی کہ آپ صرف ان کی شکل دیکھ لیں آپ کو سچ نظر آجائے گا اور یہ مولوی حضرات تو کافر بنانے کی مشین ہوتے ہیں۔ روحانیت صرف اللہ والوں میں ہی مل سکتی ہے۔ ساتھ ہی مجھے میری حیثیت کا احساس دلایا کہ ایسی سوچ رکھنے والے لوگ خطرے میں ہوتے ہیں۔ جب ہم یہ گفتگو کر رہے تھے تو قریب ہی سبزی فروش کی دکان تھی۔ پیاز کے ایک ٹوکرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اگر مختلف لوگوں کو کہا جائے کہ ایک ایک پیاز اٹھالیں تو ہر شخص اچھا اچھا پیاز اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ اور نکما پیاز کچرے کے ڈھیر پر ہوگا۔ اگر کوئی سارے ٹوکرے کا سودا کرے گا تو ہر قسم کا پیاز نکل جائے گا۔ پھر مشورہ دیا کہ آپ کے لئے ذاتی طور پر خدا کو راضی کرنا بہت مشکل ہوگا لیکن اگر کسی جماعت یا گروہ میں شامل ہوں گے تو آسانی پیدا ہوسکتی ہے۔ ذاتی طور پر آپ فرقہ بندی ختم نہیں کرسکتے البتہ ایک نیا فرقہ ضرور بنا سکتے ہیں۔ مجھ پر سکھ چین کی اس گفتگو کا واقعی اثر ہوا جو مَیں نے یہاں مختصراً لکھی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مَیں اگلے ہی دن شاہدرہ میں پیر امیر حسین المعروف بابا جی کی محفل میں سکھ چین کے ساتھ موجود تھا۔ پیر صاحب اپنی روحانی باتوں سے مریدوں کو مسحور کر رہے تھے۔ دوران گفتگو پیر صاحب نے علامہ اقبال کا ایک شعر یوں پڑھا۔

'خود ہی' کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

میں نے تصحیح کرانی چاہی کہ لفظ 'خودی' ہے نہ کہ 'خود ہی'۔ پیر صاحب کو میری یہ جرأت پسند نہ آئی اور تکرار کی کہ لفظ 'خود ہی' ہی ہے۔ 'خودی' تو بڑی چیز ہے۔ مَیں نے مزید وضاحت کے لئے خودی کے بارے میں سمجھانا شروع کردیا کہ یہ لفظ اس سے قبل مولانا روم نے بھی اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب خداداد صلاحیت ہے۔ پیر صاحب نے بھی مولانا روم کا نام سنا ہوا تھا فوراً بولے: مولانا روم کو جانتے ہیں؟ اس کو بھی ایک اللہ والے نے نچا دیا تھا۔ مَیں نے جھلا کر کہا کہ مَیں نے صرف پڑھا ہے، مَیں کونسا اس کے ساتھ کبڈی کھیلا ہوں۔ یہ اس قسم کی تکرار تھی جس کو پیر صاحب غالباً گستاخی خیال کرگئے۔ اگلا سوال تھا کہ آپ کون ہیں اور کس کے ساتھ آئے ہیں؟ اس پر مَیں نے سکھ چین کی طرف اشارہ کردیا۔

کیوں شوکت تم لائے ہو؟ پیر صاحب نے سکھ چین سے پوچھا۔ سکھ چین نے

بتایا کہ جاوید صاحب ایک مخلص انسان ہیں اور یہ روحانی سفر کرنا چاہتے ہیں۔مَیں اس لئے آپ کے پاس لے آیا ہوں۔آپ ان کی بھی راہنمائی کریں تا کہ یہ بھی آپ کی ارادت میں آجائیں۔اور آپ کو پیر مان لیں۔پیر صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ ان کو پیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اپنا اللہ اللہ کریں۔مجھے پیر صاحب کا یہ جملہ تکلیف دے گیا۔اللہ اللہ جیسی نعمت کو وہ ایسے بیان کر گئے جیسے......میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں کہ بیان کر سکوں!

مَیں نے ان کو بتایا کہ پیر صاحب آپ درست فرما رہے ہیں مجھے پیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔مَیں خدا کے فضل سے اسی وقت بیعت ہو گیا تھا جب اللہ نے فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا ربّ نہیں؟ مَیں نے اقرار کر لیا تھا کہ وہ ہی میرا ربّ ہے۔اب دنیا میں آکر اس عہد کو یاد کرنے کی کوشش میں ہوں اور سکھ چین نے پیر صاحب کو اس قرآنی آیت کا یہ حصہ یاد کروایا جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پوچھا، بتاؤ مَیں تمہارا ربّ ہوں کہ نہیں اس پر روحوں نے کہا قَالُوْا بَلٰی۔

پیر صاحب کو یہ بات کافی ثقیل لگی۔کافی دیر سوچ کر بولے 'تو تم شوکت کو کیا سمجھتے ہو؟'۔ 'ایک سچا انسان' میں نے جواب دیا۔'تو پھر اس کو پیر بنا لو!' پیر صاحب نے مشورہ دیا۔اس پر مَیں بولا کہ یہ بیچارے تو آپ بے بس ہیں۔پیر صاحب نے غالبًا جلال میں آکر کہا: مَیں آج سے شوکت کو اپنا خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔یہ پیر ہے'۔

مَیں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس خیال سے کہ ایک سچے انسان کی بیعت کر رہا ہوں، کم از کم سچائی تو واضح ہو گی، اعلان کر دیا کہ مَیں ان کا مرید ہوتا ہوں۔

اس دن دیگر مریدوں نے ایک ساتھ دو تقریبات دیکھیں یعنی ایک سکھ چین صاحب کے خلیفہ بننے کی اور دوسری میری بیعت کرنے کی۔

ہم دونوں دوست پیر اور مرید بن کر واپس لوٹ رہے تھے۔تانگے پر بیٹھنے لگے تو مَیں نے سکھ چین صاحب سے گزارش کی کہ اب آپ تانگے کی اگلی سیٹ پر بیٹھیں۔مَیں پیچھے بیٹھتا ہوں کیونکہ اب میں آپ کا مرید ہوں۔مگر سکھ چین صاحب راضی نہ ہوئے اور مصر رہے کہ نہیں آپ آگے بیٹھیں اور مَیں پیچھے بیٹھوں گا کیونکہ آج اگر مَیں پیر ہوں تو آپ پیر ساز ہیں۔اور یہ کہ وہ اگر پیر ہیں تو میری بدولت سے ہی ہیں۔آخر فیصلہ ہوا کہ دونوں ہی اگلی سیٹ پر بیٹھ جاتے ہیں۔یوں تانگے کے سفر سے ہمارا روحانی سفر بھی شروع ہو گیا۔زندگی کو سنت رسول ﷺ کے مطابق گزارنے کی کوشش شروع ہو گئی۔ذہن کو خالص اللہ کے لئے رکھنا مطمح نظر بن گیا۔مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ مَیں ٹھیک راستے پر چل پڑا ہوں۔چاہتا تھا کہ جلد از جلد نفس مطمئنہ حاصل کر لوں کیونکہ ایک خوف سا مسلسل سر پر سوار تھا کہ موت بہت قریب ہے۔ایک دن سکھ چین صاحب نے کہا کہ جاوید صاحب! آپ خدا کے فضل سے بہت مخلص ہیں اور مجھ سے خلوص میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔لہٰذا مَیں آپ کی امانت آپ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔یہ کہہ کر ایک ٹوپی جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے تیار کی تھی مجھے پہنا دی۔اور مجھے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ مَیں بھی خلیفہ بن گیا ہوں۔بقول سکھ چین صاحب کے آپ اب سلسلہ نقشبندیہ کے باقاعدہ پیر ہیں جن کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔

پہلا مرید

چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک دوست کہنے لگے کہ جاوید صاحب اگر آپ پیر ہوتے تو مَیں ضرور آپ کا مرید ہوتا۔مَیں نے اس کو سارا معاملہ بتایا تو وہ باقاعدہ بیعت ہو کر میرا پہلا اور آخری مرید بن گیا۔بیعت ہونے کے بعد اس نے کہا کہ اب میرا کچھ کریں۔مَیں نے باہر جانے کا پروگرام بنایا ہے۔اس کا خدا جانے کیا مطلب تھا مگر مجھے ایسا لگا کہ وہ چاہتا تھا کہ مَیں کوئی کرامت کروں اور وہ بیرون ملک چلا جائے۔اس کا تو کیا بندوبست کرتا۔میرے اندر ایک انقلاب آگیا۔مَیں نے بہت تجزیہ کیا مگر اپنے اندر کوئی غیر معمولی چیز نہ پا سکا۔دراصل میں کسی کے بھروسے کو پامال نہیں کر سکتا تھا۔لہٰذا پہلی فرصت میں ہی سکھ چین صاحب کے پاس گیا اور تمام ماجرا بیان کیا۔وہ فوراً میری بات سمجھ گئے اور خود ہی وضاحت کی کہ جاوید صاحب یہ تو وہی معاملہ ہوا کہ ہم ایم بی بی ایس کا بورڈ لگا کر بیٹھ جائیں اور مریض آئیں تو نبض بھی نہ دیکھ سکیں۔یہ تو کھلا کھلا فراڈ ہے۔اسی وقت بڑے باباجی کے پاس پہنچ گئے۔

حسب معمول محفل جمی ہوئی تھی اور معرفت کی گفتگو چل رہی تھی۔باباجی نے فوراً ہی گفتگو روک دی اور ہمارے آنے کا سبب پوچھا۔خاکسار ہی یوں گویا ہوا کہ باباجی میرا ایک مرید بن گیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مَیں دعا کے ذریعے اس کی مدد کروں اور وہ بیرون ملک چلا جائے۔مگر مَیں اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا ہوں اور نہ ہی اسے محروم رکھنا چاہتا ہوں۔اگر میری دعا میں اتنی تاثیر نہیں ہے تو کیوں نہ اسے کسی ایسے شخص کے پاس بھیجوں جس کی دعا میں تاثیر ہو۔آپ کو اگر اعتماد ہے تو بتادیں مَیں اسے آپ کے پاس لے آؤں یا اگر آپ کے پاس کوئی ایسی طاقت ہے جو ہم میں نہیں تو عنایت فرما دیں۔تا کہ ہم کسی کے اعتماد کو مجروح نہ کرنے والے ہوں۔باباجی نے کافی ٹالنے کی کوشش کی مگر ہم دونوں ہی بضد تھے کہ وہ طاقت جو آپ میں ہے اور ہم محروم ہیں وہ ہمیں بھی عنایت کریں۔کیونکہ ہم باوجود سلسلہ نقشبندیہ کے خلفاء مجاز ہونے کے عام انسانوں کی طرح ہی ہیں۔کافی بحث تمحیص کے بعد باباجی نے آخر اقرار کر ہی لیا کہ وہ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی ایسی غیر معمولی طاقت نہیں ہے۔مَیں نے سکھ چین صاحب کا ہاتھ پکڑا اور محفل سے نکل جانا چاہا۔مگر باباجی کے ہتھے چڑھ گیا اور انہوں نے مجھ سے بغلگیر ہوتے ہوئے مجھے سختی سے بھینچ لیا اور لگے میری پشت پر ہاتھ مارنے جسے ہمارے یہاں پنجابی میں تھاپڑے کہتے ہیں۔کہنے لگے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، ہمارا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کے پاس سائل ہی ایسے بھیجے گا جن کے کام ہو جایا کریں گے۔مگر جونہی ان کی گرفت ذرا ڈھیلی ہوئی مَیں نے جان چھڑا کر نکلنے میں ہی عافیت جانی اور ان کی محفل سے باہر آگیا۔ میرے پیچھے پیچھے کچھ اَور لوگ بھی باہر آگئے اور مجھے بڑے رشک سے ملنے لگے کہ آپ نے تو بڑا میدان مار لیا ہے۔ہم تو عرصے سے در پہ پڑے ہوئے ہیں۔ایک صاحب نے تو کسی شعر کا یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا

'یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے'

مَیں نے ان سب کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔مَیں تو اپنا پہلا ایمان بھی کمزور کر کے جا رہا ہوں۔اور یہی حقیقت تھی۔مَیں گھر پہنچا تو سخت دلبرداشتہ تھا کہ ایسے لوگ بھی دھوکا دہی میں مصروف ہیں تو مَیں کہاں چلا جاؤں؟ توبہ کی کہ اے اللہ! اب کسی کے جال میں نہیں پھنسوں گا۔صرف تجھ ہی سے رستہ مانگوں گا۔اب مَیں قرآن کو توجہ سے پڑھتا اور نماز میں راہنمائی مانگا کرتا۔اور صبر و

شکر کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے لگا۔ مجھے احساس ہوا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی میری راہنمائی کرنے لگ گیا تھا۔ مجھے جب قرآن کی کسی آیت کی سمجھ نہ آتی تو میں کسی سے پوچھ تو سکتا نہیں تھا لہٰذا اس معاملے کو خدا پر چھوڑ دیتا۔ پھر یا تو اس کی سمجھ مجھے قرآن سے ہی آجاتی یا ایسا بھی ہوجاتا کہ مَیں کسی سے گفتگو کررہا ہوتا اور مخاطب کوئی اپنی بات کرتا اور مجھے اپنے معاملے کی سمجھ آجاتی یا کوئی اخبار، رسالہ یا کتاب پڑھتے ہوئے کوئی گتھی سلجھ جاتی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ خدا تعالیٰ ہی میری راہنمائی کررہا تھا۔ مثلاً مَیں احمدی نہیں تھا مگر وفاتِ مسیح کا قائل ہوگیا تھا۔ مختصراً یہ کہ جو مَیں نے قرآن پڑھا وہ جماعت احمدیہ کے مؤقف کے مطابق ہی پڑھا:

وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَاناً نَّصِيراً۔ (سورۃ بنی اسرائیل:81)

جب مَیں اس آیت پر پہنچا تو اس آیت کی تکرار سی شروع ہوگئی۔ قرآن کھولتا تو یہیں سے کھلتا۔ کوئی کتاب کھولتا تو اس میں کہیں نظر آجاتی۔ مسجد میں امام صاحب بھی یہی تلاوت کررہے ہوتے۔ مجھے یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ کے ذریعے کوئی پیغام دے رہا ہے۔ ترجمہ پر غور کیا: 'اور کہہ دے کہ اے میرے رب میرا داخل ہونا نیکی پر مبنی ہو پھر خارج ہونا بھی صدق پر مبنی ہو۔ میرا سلطان نصیر بن جا'۔ مَیں نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ تھا کہ مجھے سفر کرنا ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ حقیقی مسلمانوں سے تعلق قائم کرے گا۔ مگر یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ سفر کہاں کا ہے؟

ایک رات مَیں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے جتنی سمجھ مجھے عطا کی ہے تُو جانتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ یہ کونسا سفر ہے؟ مَیں چاہتا ہوں کہ مجھے پتہ چل جائے کہ مسلمان کہاں ہیں تو مَیں وہاں کا سفر کرنے کو تیار ہوں۔ اسی رات مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے افریقہ کا نقشہ سمجھا رہا ہے کہ اس ملک میں اتنے مسلمان ہوگئے ہیں اور اس ملک میں اتنے مسلمان ہوگئے ہیں۔ جب وہ شخص نقشہ سمجھا چکا تو میں نے جواب دیا کہ ماشاءاللہ یہ تو اتنی تعداد میں ہوگئے ہیں کہ باقی افراد کو خود ہی مسلمان کرلیں گے۔ آنکھ کھلی تو ذہن تھوڑا سا پریشان ہوگیا کہ پشاور کراچی تک کی بات تو درست تھی اب افریقہ کون جائے؟ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا لہٰذا اپنے ارادے کو پختہ کیا۔ بیگم سے مشورہ کیا تو وہ حیران و پریشان ہوگئی کہ ہم کس کے آسرے پر رہیں گے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سہارے۔ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال پیش کی کہ وہ تو اپنے اقرباء کو جنگل میں چھوڑ گئے تھے۔ آپ لوگ تو پھر شہر میں ہیں۔ بیگم کو جب یقین ہوگیا کہ میں نے افریقہ جانا ہی جانا ہے تو اس نے کل جمع پونجی میرے حوالے کردی اور کہا کہ آپ تو سفر میں ہوں گے ہماری خیر ہے۔

آغاز سفر

نائیجیرین ایمبیسی نے تین ماہ کا ویزا دیدیا مگر زادِ راہ اتنا کافی نہیں تھا کہ بذریعہ ہوائی جہاز نائیجیریا جاسکتا۔ لہٰذا کافی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ خشکی کے راستے جانے کی کوشش کروں گا۔ اپریل 1984ء میں لاہور سے کوئٹہ، کوئٹہ سے تفتان بارڈر اور آخر (ایران کے دارالحکومت) تہران میں جا قیام کیا۔ کرنسی تبدیل کی تو پتہ چلا کہ ایرانی کرنسی کافی سستی ہوچکی تھی اور میرے پاس رقم چار گنا ہوگئی۔ اگر بنک سے تبدیل کرواتا تو ایسا نہ ہو پاتا۔ مَیں نے اس لئے عام مارکیٹ سے تبدیل کروائی۔ اب یہ رقم اتنی ہوگئی تھی کہ مَیں نائیجیریا کی واپسی کی بھی ٹکٹ بنوا سکتا تھا۔ مگر چونکہ واپسی کا کوئی علم نہ تھا لہٰذا یکطرفہ ٹکٹ بنوائی۔ دوست مشورہ دے رہے تھے کہ ہمیشہ واپسی کی ٹکٹ بنوانی چاہئے آگے کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ مگر مَیں کچھ سمجھ نہ پارہا تھا۔ آخر کار قرعہ ڈالا ایک پرچی پر یکطرفہ لکھا اور دوسری پر دوطرفہ۔ پرچی اٹھائی تو یکطرفہ والی تھی۔ لہٰذا پختہ ارادہ کرلیا کہ یکطرفہ ہی بنوانی ہے۔ یوں یکطرفہ ٹکٹ پر براستہ روم (اٹلی) لیگوس پہنچ گیا۔ لیگوس نائیجیریا کا دارالحکومت ہے۔

نائیجیرین امیگریشن والے چاہتے تھے کہ مَیں ان کی تسلی کراؤں کہ کس مقصد کے لئے نائیجیریا آیا ہوں۔ مگر مَیں ان کو کیا بتاتا کہ کیا کرنے آیا ہوں۔ پھر یکطرفہ ٹکٹ پر کافی بحث کے بعد انہوں نے 50 ڈالر رشوت مانگی۔ مَیں نے انکار کردیا جس پر انہوں نے مجھے کافی پریشان کیا۔ دھمکی دی کہ ہم واپس بھجوار ہے ہیں۔ مَیں نے اطمینان سے واپسی کا ارادہ کرلیا۔ مَیں کونسا ذاتی خواہش پر گیا تھا۔ اگر اللہ کو منظور نہیں تو نہ سہی۔ تمام لوگ چلے گئے مَیں آخری مسافر باقی تھا۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے اخراج کی مہر لگادی۔ باہر آیا تو کافی رات ہوچکی تھی۔ زندگی کا پہلا غیر ملکی سفر تھا۔ محتاط بھی کافی تھا۔ ائیرپورٹ پر رات بسر کی اور دن چڑھے ائیرپورٹ کی حدود سے باہر آگیا۔ لیگوس سے کوئی بیس پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک تاریخی قصبہ ہے بداگری۔ وہاں ایک دوست رہتے تھے ان کے پاس چلا گیا۔ جو جو تعلقات والے تھے تمام جگہوں پر جاتا رہا کہ کوئی کام مل جائے تو سلسلہ آگے چلایا جائے۔ مگر وہاں کے قوانین ایسے تھے کہ غیر ملکی کو ورک پرمٹ (Work Permit) کے بغیر کام نہیں دیا جاتا تھا۔ اور یہ اجازت نامہ صرف اس کو مل سکتا تھا جو کسی کام میں سپیشلسٹ ہو اور اس کی صلاحیت کا کوئی نائیجیرین حامل نہ ہو۔ مگر مَیں تو صرف B.A. ہی کرسکا تھا۔ جب مَیں پاکستان سے چلا تھا تو ایک تجارتی حوالہ بھی ساتھ لے کر آیا تھا۔ اپنے بداگری کے میزبان بخاری صاحب سے ذکر کیا تو وہ فوراً وہاں جانے پر تیار ہوگئے۔ اب مَیں اندازہ نہیں کرسکتا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟

بینڈل اسٹیٹ میں پہنچے تو متعلقہ آدمی جو نائیجیرین باشندہ تھا، بجائے دفتر کے گھر لے گیا۔ اور اپنے کاروبار کی لمبی چوڑی تفصیل بیان کی اور بڑھا چڑھا کر بتایا۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ مَیں ایک سرمایہ دار آدمی ہوں۔

بخاری صاحب بھی اس کی باتوں میں آگئے اور میرا پاسپورٹ اور کچھ رقم اس کے حوالے کردی کہ ورک پرمٹ کا بندوبست کردے۔ پندرہ دن بعد دوبارہ بینڈل اسٹیٹ گئے تو پتہ چلا کوئی کام نہیں ہوسکا تھا۔ اگلے دن پھر بداگری چلے آئے۔ غالباً بخاری صاحب کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ نائیجیرین صرف زبانی جمع خرچ کر رہا ہے۔ اس کا کاروبار صرف کاغذی سطح پر ہی ہے۔ دفتر کا وجود ہی نہیں ہے۔ کیونکہ تیسری بار جب میں بینڈل اسٹیٹ گیا تو بخاری صاحب ساتھ جانے کو تیار نہ تھے۔ مَیں اکیلا ہی گیا۔ اور اس وقت تک وہ نائیجیرین بھی بخوبی طور پر میری کیفیت سے آگاہ ہوچکا تھا۔ اس کو وہ مہمان نوازی بھی تکلیف دے رہی تھی جو وہ اب تک کرچکا تھا۔ مَیں نے اپنے 50 ڈالر واپس مانگے جو اس کو دے چکا تھا تو اس نے رقم دینے سے صاف انکار کردیا۔ وجہ پوچھی تو اس نے کھانے پینے کے اخراجات گنوادیے۔ لہٰذا یہ 50 ڈالر چلے ہی گئے۔ واپس آکر بخاری صاحب کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ بخاری صاحب بھی نظریں چرانے لگے۔ وہ اب مجھے بوجھ خیال کررہے تھے۔ مَیں نے یہ صورتحال محسوس کی تو اپنا سامان اٹھایا اور ان کو خیرباد کہہ دیا اور پھر

آنے کا کہہ کر چلا گیا۔

میرے پاس ایک اور تعلق کانو اسٹیٹ میں تھا۔ یاد رہے کہ نائیجیریا مختلف اسٹیٹس پر مشتمل ہے۔ یہاں میرے ایک دُور کے رشتہ دار مقیم تھے۔ ان کے پاس آ گیا۔ رفیع احمد ان کا نام تھا اور احمدی مسلک سے ان کا تعلق تھا۔ انہوں نے نہایت اچھے انداز میں مہمان نوازی کی۔ گھر کا ہی ایک فرد بنا دیا تھا۔ دوران قیام بار بار مالی امداد کی پیشکش کرتے تھے۔ شاید اس خیال سے کہ میں یہ نہ سوچوں کہ میں مجبور ہوں اور یہ دعوت الی اللہ کرنے لگ گئے ہیں۔ انہوں نے مذہبی گفتگو کم ہی کی۔ مجھے کام دلوانے میں بھی مدد کرتے رہے۔ مگر حالات ایسے تھے کہ کوئی ملازمت نہ مل سکتی تھی۔ پھر وہ وقت بھی آ گیا جب ویزہ ختم ہونے لگا۔ لہٰذا مجھے واپس لیگوس آنا پڑا تاکہ ویزا میں توسیع کروا سکوں۔ مگر میں امیگریشن والوں کو مطمئن نہ کر سکا۔ ان کا بنیادی سوال تھا کہ میں نائیجیریا میں کیا کر رہا ہوں اور مزید کیا کرنا چاہتا ہوں؟ اس سوال کا جواب خود میرے پاس نہیں تھا میں ان کو کیا مطمئن کرتا۔ لہٰذا امیگریشن والوں نے ویزے کی معیاد بڑھانے سے صاف انکار کر دیا۔

اکرم ذکی سے ملاقات

اس زمانے میں اکرم ذکی صاحب وہاں پاکستان کے سفیر تھے۔ ان سے ملاقات کی اور تمام حالات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔ پتہ چلا کہ وہ اس معاملے میں کافی معلومات رکھتے ہیں۔ انہوں نے آخر کار ایک ایسا حل پیش کیا جو مجھے ہرگز قبول نہ تھا۔ حل یہ تھا کہ میں ان کے یعنی پاکستانی سفارت خانے کے سامنے اپنے آپ کو سرنڈر کر دوں یعنی اپنے آپ کو ان کے رحم وکرم پر چھوڑ دوں اور وہ مجھے پاکستان بھجوا دیں گے۔ میرا پاسپورٹ ہمیشہ کے لئے منسوخ ہو جائے گا۔ اور میں پاکستان جانے میں اٹھنے والے تمام اخراجات ادا کر کے گھر جا سکوں گا وگرنہ جیل میں ہی رہنا ہوگا۔ اگر ایسا نہیں کرتا تو ویزے کے مدت ختم ہو جائے گی۔ جس پر نائیجیریا کی جیل، جس کا نقشہ کھینچنا بھی ضروری ہے، بھی ہو سکتی ہے۔

جب میں ویزا کی معیاد بڑھانے کے لئے گیا تھا تو دفتر کے راستے میں ہی ان کی حوالات تھی یا جیل، حتمی طور پر نہیں کہہ سکتا۔ ہر کمرے میں تقریباً پچاس قیدی رکھے جاتے تھے۔ اور کمرے کی پیمائش 20x20 سے زیادہ نہ تھی۔ تمام قیدی صرف ایک ایک نیکر میں ملبوس تھے۔ فرش پر اخبارات کا بستر تھا۔ تمام افراد کو خارش ہو چکی تھی۔ مسلسل کھڑے رہنے کی وجہ سے سب کے پاؤں متورم تھے۔ جو طاقتور تھے وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لیتے تھے۔ اور جو نسبتاً کمزور تھے وہ کمرے کے باقی حصے میں کھڑے تھے۔ خدا جانے وہ رات کو سوتے کیسے تھے۔ میں جب بھی ان کی بیرکس کے سامنے سے گزرتا تو وہ اندرا گاندھی زندہ باد کے نعرے لگانے لگتے۔ ان کا خیال تھا کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں بھی کچھ خوراک ساتھ لے جایا کرتا تھا کہ اللہ اس جگہ سے محفوظ رکھے۔ مگر یہ خوراک دیواروں کے ساتھ لگے طاقتور لوگ ہی لے لیا کرتے تھے۔ جو ان کی طاقت میں مزید اضافے کا باعث بنتی تھی۔ دونوں جیلوں کا موازنہ کیا تو کسی بھی صورت کو پسند نہ کر سکا۔ جب بیچ کا راستہ تلاش کرنا چاہا تو ذکی صاحب نے کہا کہ آپ روزانہ ایمبیسی آ جایا کریں تاکہ یہ آپ کو گرفتار نہ کر لیں۔ اور مسلسل رابطے میں رہیں۔ اگر کوئی بحری جہاز (Ship) پاکستان سے آیا اور اس کا کپتان مان گیا تو اس کے ہمراہ پاکستان چلے جائیں وگرنہ اللہ اللہ کریں۔ میں نے اکرم ذکی صاحب کو بتایا کہ یہاں کوئی چیک نہیں کرتا لاقانونیت بہت زیادہ ہے۔ میں ان کے پاس سے اٹھ کر آنے لگا تو بولے کہ آپ اس معاملے میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ ایک اور بھی ہے جو آپ ہی کی طرح مسائل کا شکار ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ کہاں ہے؟ پتہ چلا عمارت کے عقبی جانب بیٹھا ہے اور بقول ان کے رو رہا ہے۔ میں عمارت کے پچھلی طرف گیا تو اپنے ہی ایک دوست رفاقت نامی سے ملاقات ہو گئی۔ پرانی دوستی تھی۔ وہ مجھ سے پہلے کا پاکستان سے نکلا ہوا تھا۔

اس کو تسلی دینا چاہی تو اس نے الٹا مجھے پریشان کر دیا اور بتایا کہ ہم ایسے حالات کا شکار ہیں کہ اب لاشیں ہی واپس جائیں گی ہم نہیں۔ میں نے نہ جانے کیوں اس سے وعدہ کر لیا کہ فکر نہ کرو پہلے تم پاکستان جاؤ گے اور میں بعد میں جاؤں گا۔ اس لئے فکر نہ کرو اور میرے ساتھ آ جاؤ۔

کہاں؟ اس کے اس سوال نے مجھے پریشان کر دیا۔ مگر تسلی دی کہ کسی سستی سی جگہ مکان لے لیتے ہیں۔ فی الحال بخاری کے پاس ہی چلتے ہیں۔ جو ہمارا مشترکہ واقف کار تھا۔ لہٰذا ہم بداگری آ گئے۔ بخاری ہم دونوں کو اکٹھا دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ یک نہ شد دو شد۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ ہمیں ایک منٹ بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے۔ اور ہماری صورتحال تھی بھی ایسی ہی۔ مگر جب تک ہماری رہائش کا بندوبست نہ ہوتا ہم وہاں رہنے پر مجبور تھے۔ گو کہ حالات سازگار نہ تھے۔ مجھے ایک پرانا معاملہ یاد آ گیا۔ میں نے کسی آدمی سے کوئی رقم لینی تھی۔ تو بخاری نے اپنی ضمانت دی تھی کہ اگر یہ شخص رقم نہ دے گا تو وہ ضامن ہوگا۔ مگر بعد میں وہ شخص اور بخاری دونوں ہی ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ میں نے رفاقت کو یہ بات بتائی تو وہ بھی خوش ہو گیا۔ اور جھٹ سے رقم کا مطالبہ میری طرف سے کر دیا۔ خود ہی میری طرف سے دھمکی بھی دے دی کہ اگر تم نے رقم کا بندوبست نہ کیا تو میں یعنی جاوید تمہاری شکایت حکومت کو لگا دے گا کہ تم دونوں میاں بیوی کی اسناد جعلی ہیں۔ یہ ہوا میں چلایا ہوا تیر سیدھا ہدف پر لگا اور بخاری صاحب اگلے ہی لمحے نہایت مہربان انسان بن چکے تھے اور ہر قسم کا تعاون کرنے کو تیار تھے۔ کچھ رقم کا بندوبست بھی کر دیا اور ہم وہاں سے رخصت ہو گئے۔ رفاقت کے بھی تعلقات بن چکے تھے۔ ایک ہندو کے پاس جا ٹھہرے۔ اور پھر وہاں سے ایک اور ہندو کے پاس اونگیلی چلے گئے۔ وہاں ایک اور احمدی سے ملاقات ہو گئی۔ اس طرح آگے سے آگے تعلقات بنتے جاتے اور ہم تعاون لیتے رہے۔ آخر کار کل رقم ختم ہو گئی۔ میں نے کہا کہ دوست اب جیب خالی ہو رہی ہے اس لئے کچھ کرنا پڑے گا۔ میں نے بتایا کہ میرے ایک عزیز کانو میں رہتے تھے اور مجھے اکثر رقم کی پیشکش کرتے رہتے تھے لہٰذا اب کریں گے تو میں لے لوں گا۔ میرا دوست ایک ہندو واقف کار کے ساتھ قیام پذیر ہو گیا اور میں کانو چلا گیا۔ وہاں جا کر مکرم رفیع صاحب کے پاس رہنے لگا مگر پیسے مانگنے کا حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا۔ غالباً وہ بھی پوچھ پوچھ کر خیال کر بیٹھے تھے کہ شاید مجھے ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح پندرہ بیس روز گزر گئے اور پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ دوست کا خیال بھی آتا تھا کہ نہ جانے کس حال میں ہوگا؟ اور کہاں ہوگا؟ کیونکہ بیرون ملک کسی بھی شخص پاس طویل قیام بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایک دن رفیع صاحب نے ایک خطیر رقم جو کہ پاکستان تک کا خرچہ تھا، مجھے دی کہ اسے رکھ لیں۔ اور کہا کہ مجھے علم نہیں ہے کہ آپ (یعنی خاکسار) کس مصیبت میں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ مگر میں اپنے ضمیر سے مجبور ہوں۔ جب آپ کے پاس واپسی کی توفیق ہو اور یہ رقم بالکل معمولی لگنے لگے تو واپس کر دینا۔

میں نے بتایا کہ میں تو پیسے لینے ہی آیا تھا۔ لہٰذا اب واپس جاتا ہوں۔ واپس اس ہندو کے پاس آیا جس کے پاس اپنے دوست کو چھوڑ کر گیا تھا۔ مگر دوست کو وہاں نہ پایا۔ اس ہندو سے پوچھا تو اس نے معذوری ظاہر کی کہ وہ نہیں جانتے کہ میرا دوست کہاں گیا تھا۔ پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آیا اور نوکر سے کہا کہ وہ خط ان کو دکھاؤ شاید انہیں پتہ چل جائے۔ پھر مجھے بتایا کہ وہ اردو رسم الخط نہیں پڑھ سکتا اور وہ خط اردو میں تھا۔ خط میرے ہی نام تھا اور لکھا تھا کہ وہ احمدیہ ہسپتال اوجوکورو میں مقیم ہے۔ جب یہ بات اس ہندو کو بتائی تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس ہسپتال کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ڈاکٹر منور صاحب وہاں کے انچارج ہیں اور بڑے اچھے انسان ہیں۔ پھر ڈرائیور سے کہا کہ جاوید صاحب کو ڈاکٹر منور صاحب کے ہسپتال چھوڑ آؤ۔ یہ جگہ لیگوس سے تقریباً 20 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

ہسپتال میں داخل ہوتے ہی پہلی ملاقات اپنے دوست سے ہوگئی۔ پھر ڈاکٹر منور صاحب سے ملے اور شکریہ ادا کیا۔ میرے دوست نے بتایا کہ وہ ہسپتال میں ہی مقیم ہے اور ڈاکٹر صاحب نے باقاعدگی سے کھانے کا بندوبست بھی کیا ہوا تھا۔ تھوڑی سی گفتگو کے بعد طے پایا کہ ہم وہاں رہائش رکھنے پر مجبور تھے۔ مگر کھانا اپنا کھائیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک شرط پیش کی کہ آپ برتن چولہا اور سلنڈر وغیرہ نہیں خریدیں گے۔ اور وہ یہ چیزیں ہمیں عاریتاً دیدیں گے۔ کیونکہ اگر ہم یہ چیزیں خریدیں گے تو محض پیسے کا ضیاع کریں گے۔ اور جاتے وقت یہ چیزیں آپ کے کام نہ آئیں گی۔ ڈاکٹر صاحب کا مزید شکریہ ادا کیا اور تبدیلی حالات تک وہاں قیام کا ارادہ کرلیا۔ سارا دن فارغ ہوا کرتے تھے۔ بس نمازوں کی ہی ایک واحد مصروفیت تھی۔ ایک دن میں کمرے میں داخل ہوا جو کہ ہسپتال کا ہی ایک کمرہ تھا تو میرا دوست ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ جس کا عنوان "حقیقۃ الوحی" تھا۔ مجھے اچھا نہ لگا اور میں نے اس کے ہاتھ سے لے کر کہا کہ ایسی کتابیں دماغ خراب کردیتی ہیں۔ ان سے بچو! ساتھی نے عذر پیش کیا کہ فارغ ہوتا ہوں میں نے وقت کاٹنے کے لئے یہ کتاب لی تھی کہ چلو کچھ مصروفیت ہی سہی۔

کچھ دیر بعد میں نے بھی بے خیالی میں کتاب اٹھالی اور ورق گردانی شروع کردی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے مطالعہ شروع کردیا۔ دل کو اس طرح سے تسلی دی کہ جنرل نالج کے طور پر پڑھ لیتا ہوں باقی رہا مرزا صاحب کے دعاوی کا معاملہ تو مجھے اس سے کوئی غرض نہ تھی۔ کتاب پڑھتا رہا اور مرزا صاحب کے علم و معرفت کی داد دیتا رہا۔ اور افسوس کرتا رہا کہ کاش مرزا صاحب دعویٰ نہ کرتے تو مسلمان کس قدر مستفیض ہوتے۔ کتاب ختم ہوگئی۔ دل چاہا ایک اور پڑھی جائے۔ لہٰذا اس کے بعد 'انجام آتھم'، پھر 'ازالہ اوہام'۔ غرض ایسا چسکا پڑا کہ میرا معمول بن گیا کہ عشاء کے بعد مطالعہ کرنے کو بیٹھ جاتا اور فجر پڑھ کر سوجاتا اور ظہر پر جاگ جاتا۔ اس دوران اکثر ایمبیسی کا چکر بھی لگالیا کرتے تھے۔ ایمبیسی کے اکثر ملازم ہم سے بے تکلف ہوگئے تھے۔ ایک صاحب جنکا نام تو یاد نہیں رہا البتہ چوہدری صاحب ہی یاد رہ گیا کیونکہ تمام لوگ انہیں اسی نام سے پکارا کرتے تھے۔

ایک روز اپنے دوست سے مشورہ کیا کہ کیوں نہ عمرے کا ویزہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ خدا جب بھی واپسی کی توفیق دے گا تو عمرہ ہی کرتے جائیں گے۔ چنانچہ چوہدری صاحب سے عرض کی کہ ہم عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے دو فارم دیئے اور کہا کہ ان کو پر کرکے انہیں دے دیں۔ وہ فارم یہی ڈیکلیریشن فارم تھے کہ میں اس عقیدے پر ایمان رکھتا ہوں کہ محمدؐ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی یا مصلح نہیں آسکتا۔ میں نے مکمل عبارت پڑھی تو میرے عقیدے کے مطابق تو امام مہدی علیہ السلام نے امت کی اصلاح کرنی ہے۔ لہٰذا میں اس فارم پر کیسے دستخط کرتا؟ اس طرح تو میں امام مہدی کے آنے سے قبل ہی ان کا انکار کرکے کفر میں داخل ہوجاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں نے انکار کردیا کہ چوہدری صاحب میں اس وجہ سے مجبور ہوں لہٰذا آپ اس کے بغیر ہی ویزہ لگوا دیں۔ چوہدری صاحب نے میری رائے سنی اور فارم غور سے پڑھ کر پریشان ہوگئے۔ اٹھ کر دوسرے کمرے میں کسی سے مشورہ کرنے چلے گئے۔ چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ واپس آئے اور کہا کہ یار ایسے ہی سارے لوگ دستخط کررہے ہیں تم بھی کردو۔ میں نے ایک بار پھر معذوری پیش کی کہ میرے بس میں نہیں ہے۔ چوہدری صاحب نے اپنی دانست میں ایک معقول مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ میں اس فارم کو کسی دوسرے سے پر کروا کر اسی سے دستخط کروادوں ویزہ لگنے کے بعد یہ کاغذات وہ ضائع کردیں گے۔ وقتی طور پر تو مجھے یہ مشورہ بھلا لگا اور میں نے اپنے ساتھی کو جو یہ ساری باتیں سن چکا تھا فارم تھما دیا اور کہا کہ پُر کرکے چوہدری صاحب کو دیدے۔ میرے دوست کو خدا ہی جانے کیا سوجھی کہ اس نے ڈیکلیریشن فارم کے الفاظ بلند آواز سے پڑھنے شروع کردیے۔ جب یہ عبارت ختم ہوئی تو میں نے اس کے نیچے اپنا نام لکھا جانا پسند نہ کیا۔ اور فارم پکڑ کر چوہدری صاحب کو واپس کردیا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا تم اگر کچھ کرسکتے ہو تو ٹھیک ہے۔ چوہدری صاحب نے مجھ سے پاسپورٹ پکڑا اور بڑبڑاتے ہوئے اس پر کچھ لکھتا رہا: 'تم کافر ہوکر غلط کام نہیں کرتے اور ہم مسلمانوں کو غلط کام پر مجبور کررہے ہو'۔ پھر مہر لگانے کے بعد پاسپورٹ میرے حوالے کردیا۔ جس پر وہ احمدی لکھ کر سفارت خانے کی مہر لگا چکا تھا۔

'اتنے احمدی تو مرزا صاحب نہیں کرتے جتنے آپ کردیں گے۔' میں نے سخت احتجاج کیا۔ 'تو کیا آپ احمدی نہیں؟' چوہدری صاحب نے ایک بار پھر پریشان ہوکر پوچھا۔ 'ہرگز نہیں' میں نے صریحاً اعلان کیا۔ اس پر چوہدری صاحب نے فوراً میرے ہاتھ سے پاسپورٹ واپس لے لیا اور احمدی کا لفظ کاٹ دیا۔ اور مہر کو بھی کاٹنے کی کوشش کی۔ پاسپورٹ دیکھ کر ہلکا سا دکھ ہوا کہ احمدی لکھ کر کاٹا ہوا تھا۔ خدا نے بعد ازاں جب مجھے احمدیت میں داخل فرمایا تو سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ اپنے پاسپورٹ پر اپنے ہاتھ سے احمدی لکھا۔

چوہدری صاحب کے ذکر سے قبل بات مطالعہ کی ہو رہی تھی۔ ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ مشن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جتنی بھی کتب تھیں میں ان سب کا مطالعہ کرچکا تھا۔ مزید مطالعہ کا شوق ڈاکٹر صاحب سے بار بار مطالبہ کرنے پر مجبور کرتا رہا کہ مجھے کوئی اور کتاب دیں۔ ڈاکٹر منور احمد صاحب نے مجھے ایک کتاب "حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا دورۂ مغرب" دے دی کہ جب تک کوئی کتاب نہیں ملتی آپ یہ کتاب پڑھیں۔ مجھے چونکہ ایک نشہ سا ہو چکا تھا اس لئے کتاب لی اور کمرے میں آگیا۔ دوران مطالعہ جب اس کتاب میں افریقہ کا ذکر آیا کہ فلاں ملک میں اتنے احمدی ہیں فلاں ملک میں اتنے احمدی ہیں۔ میں نے جب یہ عبارت پڑھی تو بے اختیار دل سے نکل گیا کہ کفر تو بہت پھیل گیا۔ ذہن نے پھر دل کو جھنجھوڑا کہ جن کو تم کافر کہہ رہے ہو وہ تم جیسے مسلمانوں سے تو بہت بہتر ہیں۔ مزید غور کیا تو اندر سے آواز آئی کہ تم کیسے مسلمان ہو؟ درود شریف کی افیون کھاتے ہو مگر

کسی کا کیا بھلا کرتے ہو؟ ان کافروں کو دیکھو کہاں کہاں ہسپتال کھولے ہوئے ہیں۔ کہاں کہاں سکول بنا رکھے ہیں۔ اور تو اور تم جیسے پاگلوں کو بھی سنبھال رہے ہیں۔ اگر ایسا کفر ساری دنیا میں پھیل جائے تو انسانیت کی قسمت سنور جائے۔ اپنے آپ سے ہی کہا کہ بہتر ہے کہ تم بھی انکے ساتھ شریک ہو جاؤ اور ایسا خوبصورت کفر پھیلاؤ۔ دل جب قائل ہو گیا تو ہمدردانہ نظر سے غور کیا کہ کتنے احمدی ہو گئے تھے۔ ہر ملک کی آبادی کے تناسب سے احمدیت کا جائزہ لیا تو یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ تعداد باقی افراد کو بھی خود ہی احمدی کر لے گی۔ ماشاءاللہ۔

اس خیال کا دل میں آنا ہی تھا کہ مجھے اپنی وہ پاکستان کی خواب یاد آ گئی جس کی وجہ سے میں نے افریقہ کا سفر کیا تھا۔ تیسری دفعہ اس پیراگراف کو پڑھا اور جو تعداد میں نے خواب میں دیکھی تھی ایسے لگا کہ بعینہٖ وہی اعداد و شمار تھے جو یہاں کتاب میں درج تھے۔ اس پر دل نے کہا کہ جن کو تم اب تک کافر کہہ رہے ہو وہ تو خدا کی نظر میں مسلمان ہیں۔ عجیب سی کیفیت ہو گئی۔ سب سے پہلا خیال جو دل میں گزرا وہ یہ تھا کہ احمدی حضرات غیر احمدیوں کو کافر خیال کرتے ہیں؟ پہلی فرصت میں ڈاکٹر منور صاحب سے یہی پوچھا کہ آپ احمدی حضرات کا عام مسلمانوں کے بارے میں کیا نظریہ ہے کہ آیا وہ کافر ہیں یا مسلمان؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہم کلمہ پڑھنے والوں کو کیسے کافر کہہ سکتے ہیں؟

دل کو یقین سا ہو گیا تھا کہ یہی لوگ مسلمان ہیں۔ آپ سوچیں گے کہ مَیں نے فوراً بیعت کر لی ہوگی۔ مگر نہیں۔ میرا تعلق پٹھان فیملی سے ہے۔ اور پٹھان مشکل سے ہی احمدی ہوتا ہے۔

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے)

مکرم طاہر حفیظ صاحب مرحوم

مکرم طاہر حفیظ صاحب ابن مکرم حفیظ احمد صاحب (آف لاہور) جماعتی حالات کے پیش نظر اپنے ذاتی کاروبار کو چھوڑ کر UK آ گئے۔ ابتدائی طور پر بولٹن شہر میں رہائش اختیار کی۔ 2013ء میں مسجد فضل لندن کے قریب حلقہ Inner Park میں آ بسے۔ صدر مجلس نے آپ کو نائب قائد تبلیغ یوکے مقرر کیا۔ یہ اہم ذمہ داری آپ نے بہت احسن رنگ میں ادا کی۔ یوکے کی تمام مجالس کی رپورٹس کی روشنی میں بڑی محنت سے جائزہ تیار کرتے جسے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھجوایا جاتا۔ قبل ازیں آپ لاہور میں بھی متعدد ذمہ داریاں احسن رنگ میں سرانجام دیتے رہے تھے۔ مقامی مجلس میں قائد، قائد ضلع کے معاون، مربی اطفال ضلع لاہور اور نائب ناظم وقفِ جدید انصاراللہ ضلع لاہور بھی رہے۔ آپ کے والد مکرم حفیظ احمد صاحب اور سُسر مکرم راشد رحیم صاحب ایڈوکیٹ دونوں سانحہ لاہور میں زخمی بھی ہوئے تھے، مکرم راشد رحیم صاحب کو 7 گولیاں لگی تھیں اور معجزانہ طور پر محفوظ رہے۔

محترم طاہر حفیظ صاحب کی وفات سے چند ہفتے قبل کینسر کی تشخیص ہوئی اور بغرض علاج ہسپتال میں داخل رہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور 26 فروری 2014ء کو وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ موصی تھے بچوں کی تربیت کا خاص خیال رکھتے اور خلافت سے بڑے اخلاص و وفا کا تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے، اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور جملہ لواحقین جن میں اہلیہ کے علاوہ 2 بیٹے، 2 بیٹیاں اور والدین شامل ہیں سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

اعلان برائے داخلہ جامعہ احمدیہ یوکے 2014ء

جامعہ احمدیہ یوکے کی درجہ ممہدہ کیلئے داخلہ ٹیسٹ (تحریری امتحان وانٹرویو) 22،21/ جولائی 2014ء کو انشاءاللہ جامعہ احمدیہ یوکے میں ہوگا۔ داخلہ ٹیسٹ میں شمولیت کے قواعد حسب ذیل ہیں:

تعلیمی معیار: درخواست دہندہ کے کم از کم چھ مضامین میں جی سی ایس ای (GCSE)، کم از کم تین مضامین میں اے لیولز (A-Levels) یا اس کے مساوی تعلیم میں C گریڈ سے کم گریڈ یا 60% سے کم نمبر نہ ہوں۔

عمر: جی سی ایس سی (GCSE) پاس کرنے والے طالب علم کی زیادہ سے زیادہ عمر 17 سال اور اے لیولز (A-Levels) پاس کرنے والے طالب علم کی زیادہ سے زیادہ عمر 19 سال ہونی چاہیے۔

میڈیکل رپورٹ: درخواست دہندہ کی صحت کے متعلق ڈاکٹر (GP) کی طرف سے تفصیلی میڈیکل رپورٹ انگریزی زبان میں درخواست کے ساتھ منسلک ہونی چاہیے۔

تحریری ٹیسٹ وانٹرویو: درخواست دہندہ کا ایک تحریری ٹیسٹ اور ایک انٹرویو ہوگا۔ جس میں سے ہر دو میں پاس ہونا لازمی ہے۔ انٹرویو کے لئے صرف اُسی امیدوار کو بلایا جائے گا جو تحریری ٹیسٹ میں کامیاب قرار پائے گا۔ تحریری ٹیسٹ اور انٹرویو کیلئے قرآن کریم ناظرہ، وقف نو سلیبس اور انگریزی و اردو زبان لکھنا، پڑھنا اور بولنا بنیادی نصاب ہوگا۔ تاہم ترجمہ قرآن کریم اور کتب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں بھی امیدوار کا اس طور پر جائزہ لیا جائے گا کہ اس میں ان کے پڑھنے کا رجحان موجود ہے کہ نہیں۔

درخواست دینے کا طریق: درخواست، متعلقہ درخواست فارم پر درج ذیل دستاویزات کے ساتھ ہی قابل قبول ہوگی:۔

۱۔ درخواست فارم مع تصدیق نیشنل امیر صاحب۔
۲۔ درخواست دہندہ کی صحت کی بابت تفصیلی میڈیکل رپورٹ (بزبان انگریزی)۔
۳۔ GCSE/اے لیولز کے سرٹیفکیٹ کی مصدقہ نقل۔ نتیجہ کے انتظار کی صورت میں سکول یا ٹیوٹر کی طرف سے متوقع گریڈز (Projected Grades) پر مشتمل خط۔
۴۔ پاسپورٹ کی مصدقہ نقل۔ ۵۔ درخواست دہندہ کی ایک عدد پاسپورٹ سائز فوٹو۔

متفرق ہدایات: ۱۔ درخواست میں امیدوار کے نام کے سپیلنگ وہی لکھے جائیں جو پاسپورٹ میں درج ہیں۔
۲۔ مصدقہ درخواست جامعہ احمدیہ یوکے میں 30/جون 2014ء تک پہنچنی لازمی ہے، اس کے بعد موصول ہونے والی درخواستوں پر کارروائی نہیں کی جائے گی۔
۳۔ جامعہ احمدیہ یوکے کا ایڈریس درج ذیل ہے:

Jamia Ahmadiyya UK, Branksome Place,
Hindhead Road, Haslemere GU27 3PN
Tel: +44(0)1428647170, +44(0)1428647173
Fax: +44(0)1428647188

۴۔ رابطہ کے لئے جامعہ احمدیہ کے اوقات سوموار تا ہفتہ صبح آٹھ بجے سے دوپہر دو بجے تک ہیں۔

(پرنسپل جامعہ احمدیہ یوکے)

اصحابِ احمدؑ کا انفاق فی سبیل اللہ

(مرتبہ: سعد محمود باجوہ مربی سلسلہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متقین کی ایک بنیادی صفت 'انفاق فی سبیل اللہ' قرار دی ہے۔ اس صفت کی اہمیت کے متعلق متعدد آیات میں مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی ہے اور اس کی برکات کی نشاندہی بھی کی ہے۔ اس حوالہ سے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''پھر تیسرا کام مومن کا جس سے تیسرے درجے تک قوتِ ایمانی پہنچ جاتی ہے عقل سلیم کے نزدیک یہ ہے کہ وہ صرف لغو کاموں اور لغو باتوں کو ہی خدا تعالیٰ کے لئے نہیں چھوڑتا بلکہ اپنا عزیز مال بھی خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ لغو کاموں کے چھوڑنے کی نسبت مال کا چھوڑنا نفس پر زیادہ بھاری ہے کیونکہ وہ محنت سے کمایا ہوا اور ایک کارآمد چیز ہوتی ہے جس پر خوش زندگی اور آرام کا مدار ہے اس لئے مال کا خدا کے لئے چھوڑنا بہ نسبت لغو کاموں کے چھوڑنے کے قوتِ ایمانی کو زیادہ چاہتا ہے اور لفظ اَفْلَحَ (المومنون:2۔ناقل) کا جو آیت میں وعدہ ہے اس کے اس جگہ یہ معنی ہوں گے کہ دوسرے درجہ کی نسبت اس مرتبہ میں قوت ایمانی اور تعلق بھی خدا تعالیٰ سے زیادہ ہو جاتی ہے اور نفس کی پاکیزگی اس سے پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اپنے ہاتھ سے اپنا محنت سے کمایا ہوا مال محض خدا کے خوف سے نکالنا بجز نفس کی پاکیزگی کے ممکن نہیں''۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 231)

اسی مناسبت سے آپ علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

''روحانی وجود کا تیسرا درجہ وہ ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ (المومنون:5) اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ وہ مومن کہ جو پہلی دو حالتوں سے بڑھ کر قدم رکھتا ہے وہ صرف بیہودہ اور لغو باتوں سے ہی کنارہ کش نہیں ہوتا بلکہ بخل کی پلیدی کو دُور کرنے کے لئے جو طبعاً ہر ایک انسان کے اندر ہوتی ہے زکوٰۃ بھی دیتا ہے یعنی خدا کی راہ میں ایک حصہ اپنے مال کا خرچ کرتا ہے۔ زکوٰۃ کا نام اسی لئے زکوٰۃ ہے کہ انسان اس کی بجا آوری سے یعنی اپنے مال کو جو اس کو بہت پیارا ہے لِلّٰہ دینے سے بخل کی پلیدی سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جب بخل کی پلیدی جس سے انسان طبعاً بہت تعلق رکھتا ہے انسان کے اندر سے نکل جاتی ہے تو وہ کسی حد تک پاک بن کر خدا سے جو اپنی ذات میں پاک ہے ایک مناسبت پیدا کر لیتا ہے

کوئی اُس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپ کو تب اُس کو پاوے

......یہی حالت وجود روحانی کی مرتبہ سوم کی ہے جس کی تعریف خدا تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ (المومنون:5) یعنی مومن وہ ہیں جو اپنے نفس کو بخل سے پاک کرنے کے لئے اپنا عزیز مال خدا کی راہ میں دیتے ہیں اور اس فعل کو وہ آپ اپنی مرضی سے اختیار کرتے ہیں۔ پس وجود رُوحانی کی اس مرتبہ سوم میں وہی تین خوبیاں پائی جاتی ہیں جو وجود جسمانی کے مرتبہ سوم میں یعنی مضغہ ہونے کی حالت میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ حالت جو بخل سے پاک ہونے کے لئے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور اپنی محنت سے حاصل کردہ سرمایہ محض لِلّٰہ دوسرے کو دینا بہ نسبت اس حالت کے جو محض لغو باتوں اور لغو کاموں سے پرہیز کرنا ہے ایک ترقی یافتہ حالت ہے اور اس میں صریح اور بدیہی طور پر بخل کی پلیدی سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور خدائے رحیم سے تعلق بڑھتا ہے کیونکہ اپنے مال عزیز کو خدا کے لئے چھوڑنا بہ نسبت لغو باتوں کے چھوڑنے کے زیادہ تر نفس پر بھاری ہے اس لئے اس زیادہ تکلیف اٹھانے کے کام سے خدا سے تعلق بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور بباعث ایک مشقت کا کام بجالانے کے ایمانی شدت اور صلابت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔'' (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 205-203)

قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق عملِ صالح کے تقاضے ہوا کرتے ہیں اور بعض اعمال زمانہ کے حالات اور وقت کی ضروریات کی مناسبت سے خاص اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے زمانے کے حالات اور ضروریات کے پیشِ نظر اشاعتِ اسلام کے کام کے لئے بالخصوص 'انفاق فی سبیل اللہ' پر زور دیا۔ اپنی کتب میں مختلف مواقع پر اسکی طرف توجہ دلائی اور احبابِ جماعت کو اس خدمت کی طرف بلایا۔ امام الزماں کی آواز جب جب بلند ہوئی اصحابِ احمدؑ نے اس پر لبیک کہا اور صحابہ رسولِ مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین ہوتے ہوئے اپنی قربانیاں پیش کیں۔ اس مضمون میں اولاً حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ان ارشادات میں سے کچھ عبارتیں پیش کی جائیں گی۔ بعد ازاں مضمون کے دوسرے حصہ میں اصحابِ احمدؑ کی مالی قربانی کا کچھ تذکرہ کیا جائے گا۔ طوالت کے پیشِ نظر فی الوقت صرف روحانی خزائن سے ہی یہ ارشادات و خدمات پیش کئے جائیں گے۔

آپ علیہ السلام نے اسلام کی نازک حالت کے پیشِ نظر معرکۃ الآراء کتاب 'براہینِ احمدیہ' تصنیف فرمائی اور اسکی اشاعت کی ضرورت کو پیش فرماتے ہوئے اہلِ اسلام کو مالی مدد کے لئے پکارا۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اب میں اس جگہ بخدمتِ عالی دیگر امرائے اور اکابر کے بھی کہ جن کو اب تک اس کتاب سے کچھ اطلاع نہیں اِس قدر گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ بھی اگر اشاعت اس کتاب کی غرض سے کچھ مدد فرماویں گے تو ان کی ادنیٰ توجہ سے پھیلنا اور شائع ہونا اس کتاب کا جو دلی مقصد اور قلبی تمنا ہے نہایت آسانی سے ظہور میں آجائے گا۔ اے بزرگان و چراغانِ اسلام! آپ سب صاحب خوب جانتے ہونگے کہ آج کل اشاعت دلائل حقیتِ اسلام کی نہایت ضرورت ہے اور تعلیم دینا اور سکھلانا براہین ثبوت اس دین متین کا اپنی اولاد اور عزیزوں کو ایسا فرض اور واجب ہو گیا ہے اور ایسا واضح الوجوب ہے کہ جس میں کسی قدر ایما کی بھی حاجت نہیں جس قدر ان دنوں میں لوگوں کے عقائد میں برہمی درہمی ہو رہی ہے اور خیالات اکثر طبائع کے حالت خرابی اور ابتری میں پڑے ہوئے ہیں کسی پر پوشیدہ نہ ہوگا کیا کیا رائیں ہیں جو نکل رہی ہیں کیا کیا ہوائیں ہیں جو چل رہی ہیں کیا کیا

بخارات ہیں جو اٹھ رہے ہیں پس جن جن صاحبوں کو ان اندھیریوں سے جو بڑے بڑے درختوں کو جڑھ سے اُکھیڑتی جاتی ہیں کچھ خبر ہے وہ خوب سمجھتے ہوں گے جو تالیف اس کتاب کی بلا خاص ضرورت کے نہیں۔ ہر زمانہ کے باطل اعتقادات اور فاسد خیالات الگ رنگوں اور وضعوں میں ظہور پکڑتے ہیں اور خدا نے ان کے ابطال اور ازالہ کے لئے یہی علاج رکھا ہوا ہے جو اُسی زمانہ میں ایسی تالیفات مہیا کر دیتا ہے جو اُسکی پاک کلام سے روشنی پکڑ کر پوری پوری قوت سے ان خیالات کی مدافعت کے لئے کھڑی ہوجاتی ہیں اور معاندین کو اپنی لاجواب براہین سے ساکت اور ملزم کرتی ہیں پس ایسے انتظام سے پودہ اسلام کا ہمیشہ سرسبز اور تروتازہ اور شاداب رہتا ہے۔

اے معزز بزرگان اسلام! مجھے اس بات پر یقین کُلّی ہے کہ آپ سب صاحبان پہلے سے اپنے ذاتی تجربہ اور عام واقفیت سے ان خرابیوں موجودہ زمانہ پر کہ جن کا بیان کرنا ایک دردانگیز قصہ ہے بخوبی اطلاع رکھتے ہونگے اور جو جو فساد طبائع میں واقعہ ہو رہے ہیں اور جس طرح پر لوگ بباعث اغوا اور اضلال وسوسہ اندازوں کے بگڑتے جاتے ہیں آپ پر پوشیدہ نہ ہوگا پس یہ سارے نتیجے اسی بات کے ہیں کہ اکثر لوگ دلائل حقیت اسلام سے بے خبر ہیں اور اگر کچھ پڑھے لکھے بھی ہیں تو ایسے مکاتب اور مدارس میں کہ جہاں علوم دینیہ بالکل سکھائے نہیں جاتے اور سارا عمدہ زمانہ ان کے فہم اور ادارک اور تفکر اور تدبر کا اَور اَور علوم اور فنون میں کھویا جاتا ہے اور کوچۂ دین سے محض ناآشنا رہتے ہیں پس اگر ان کو دلائلِ حقیتِ اسلام سے جلد تر باخبر نہ کیا جائے تو آخر کار ایسے لوگ یا تو محض دنیا کے کیڑے ہوجاتے ہیں کہ جن کو دین کی کچھ بھی پروانہیں رہتی اور یا الحاد اور ارتداد کا لباس پہن لیتے ہیں یہ قول میرا محض قیاسی بات نہیں بڑے بڑے شرفا کے بیٹے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں جو بباعث بےخبری دینی کے اصطباغ پائے ہوئے گرجا گھروں میں بیٹھے ہیں اگر فضل عظیم پروردگار کا ناصر اور حامی اسلام کا نہ ہوتا اور وہ بذریعہ پرزور تقریرات اور تحریرات علماء اور فضلاء کے اپنے اس سچے دین کی نگہداشت نہ کرتا تو تھوڑا زمانہ نہ گزرنا پاتا جو دنیا پرست لوگوں کو اتنی خبر بھی نہ رہتی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس ملک میں پیدا ہوئے تھے بالخصوص اس پرآشوب زمانہ میں کہ چاروں طرف خیالاتِ فاسدہ کی کثرت پائی جاتی ہے اگر محققانِ دین اسلام جو بڑی مردی اور مضبوطی سے ہر یک منکر اور ملحد کے ساتھ مناظرہ اور مباحثہ کر رہے ہیں اپنی اس خدمت اور چاکری سے خاموش رہیں تو تھوڑی مدت میں اس قدر شعار اسلام کا ناپید ہوجائے کہ بجائے سلام مسنون کے گڈبائی اور گڈ مارننگ کی آواز سنی جائے پس ایسے وقت میں دلائل حقیتِ اسلام کی اشاعت میں بدل مشغول رہنا حقیقت میں اپنی ہی اولاد اور اپنی ہی نسل پر رحم کرنا ہے کیونکہ جب وبا کے ایام میں زہرناک ہوا چلتی ہے تو اس کی تاثیر سے ہر یک کو خطرہ ہوتا ہے''۔

(براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 6-8)

آپ علیہ السلام اس زمانہ میں اسلام کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے اسکے دفاع اور اسلامی تعلیم کے یورپ اور امریکہ میں پھیلانے کے متعلق فرماتے ہیں:

''میں رسالہ فتح اسلام میں کسی قدر لکھ آیا ہوں کہ اسلام کے ضعف اور غربت اور تنہائی کے وقت میں خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے تا میں ایسے وقت میں جو اکثر لوگ عقل کی بداستعمالی سے ضلالت کی راہیں پھیلا رہے ہیں اور روحانی امور سے رشتہ مناسبت بالکل کھو بیٹھے ہیں اسلامی تعلیم کی روشنی ظاہر کروں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اسلام اپنا اصلی رنگ نکال لائے گا اور اپنا وہ کمال ظاہر کرے گا جس کی طرف آیت ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصف:10) میں اشارہ ہے۔ سنت اللہ اسی طرح واقع ہے کہ خزائن معارف ودقائق اُسی قدر ظاہر کئے جاتے ہیں جس قدر اُن کی ضرورت پیش آتی ہے۔ سو یہ زمانہ ایک ایسا زمانہ ہے جو اس نے ہزارہا عقلی مفاسد کو ترقی دے کر اور بےشمار معقولی شبہات کو بمنصۂ ظہور لا کر بالطبع اس بات کا تقاضا کیا ہے کہ ان اوہام واعتراضات کے رفع ودفع کے لئے فرقانی حقائق ومعارف کا خزانہ کھولا جائے۔ بےشک یہ بات یقینی طور پر ماننی پڑے گی کہ جس قدر حق کے مقابل پر اب معقول پسندوں کے دلوں میں اوہام باطلہ پیدا ہوئے ہیں اور عقلی اعتراضات کا ایک طوفان برپا ہوا ہے اس کی نظیر کسی زمانہ میں پہلے زمانوں میں سے نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا ابتداء سے اس امر کو بھی کہ ان اعتراضات کا براہین شافیہ وکافیہ سے بحوالہ آیات قرآن مجید بکلی استیصال کر کے تمام ادیان باطلہ پر فوقیت اسلام ظاہر کر دی جائے اسی زمانہ پر چھوڑ اگیا تھا کیونکہ پیش از ظہور مفاسدان مفاسد کی اصلاح کا تذکرہ محض بےمحل تھا...... میرے پیارے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے خدائے تعالیٰ نے سچا جوش آپ لوگوں کی ہمدردی کے لئے بخشا ہے اور ایک سچی معرفت آپ صاحبوں کی زیادت ایمان وعرفان کے لئے مجھے عطا کی گئی ہے اس معرفت کی آپ کو اور آپ کی ذرّیت کو نہایت ضرورت ہے۔ سو میں اس لئے مستعد کھڑا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اموال طیبہ سے اپنے دینی مہمات کے لئے مدد دیں اور ہر یک شخص جہاں تک خدائے تعالیٰ نے اس کو وسعت وطاقت ومقدرت دی ہے اس راہ میں دریغ نہ کرے اور اللہ اور رسول سے اپنے اموال کو مقدم نہ سمجھے اور پھر میں جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعہ سے اُن علوم اور برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں۔'' (ازالۂ اوہام حصہ دوم۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 514-516)

آپ علیہ السلام اپنی تالیفات کی اشاعت کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر احبابِ جماعت کو مالی امداد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس وقت ہم پر فرض ہوگیا ہے کہ بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کی خرابیوں کی اصلاح کرنے کیلئے بدل وجان کوشش کریں اور اپنی زندگی کو اسی راہ میں فدا کر دیں اور وہ صدق قدم دکھلاویں جس سے خدا تعالیٰ جو پوشیدہ بھیدوں کو جاننے والا اور سینوں کی چھپی ہوئی باتوں پر مطلع ہے راضی ہوجائے۔ اسی بنا پر میں نے قصد کیا ہے کہ اب قلم اٹھا کر پھر اس کو اس وقت تک موقوف نہ رکھا جائے جب تک کہ خدا تعالیٰ اندرونی اور بیرونی مخالفوں پر کامل طور پر حجت پوری کر کے حقیقت عیسویہ کے حربہ سے حقیقت دجّالیہ کو پاش پاش نہ کرے۔ لیکن کوئی قصد بجز توفیق وفضل وامداد ورحمت الٰہی انجام پذیر نہیں ہوسکتا اور خدا تعالیٰ کی بشارات پر نظر کر کے جو بارش کی طرح برس رہی ہیں اس عاجز کو یہی امید ہے کہ وہ اپنے اس بندہ کو ضائع نہیں کرے گا اور اپنے دین کو اس خطرناک پراگندگی میں نہیں چھوڑے گا جواب اس کے لاحق حال ہے مگر برعایت ظاہری جو طریق مسنون ہے ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾

(الصف:15) یہی کہنا پڑتا ہے سو بھائیو جیسا میں ابھی بیان کر چکا ہوں سلسلہ تالیفات کو بلافصل جاری رکھنے کیلئے میرا پختہ ارادہ ہے اور یہ خواہش ہے کہ اس رسالہ کے چھپنے کے بعد جس کا نام نشان آسمانی ہے رسالہ دافع الوساوس طبع کرا کر شائع کیا جاوے اور بعد اس کے بلاتوقف رسالہ حیات النبی و ممات المسیح جو یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں بھی بھیجا جائے گا شائع ہو۔ اور بعد اس کے بلاتوقف حصہ پنجم براہین احمدیہ جس کا دوسرا نام ضرورت قرآن رکھا گیا ہے ایک مستقل کتاب کے طور پر چھپنا شروع ہو۔ لیکن میں اس سلسلہ کے قائم رکھنے کیلئے یہ احسن انتظام خیال کرتا ہوں کہ ہر یک رسالہ جو میری طرف سے شائع ہو میرے ذی مقدرت دوست اس کی خریداری سے مجھ کو بدل و جان مدد دیں اس طرح پر کہ حسب مقدرت اپنی ایک نسخہ یا چند نسخے اس کے خرید لیں۔ جن رسائل کی قیمت تین آنہ یا چار آنہ یا اس کے قریب ہو۔ ان کو ذی مقدرت احباب اپنے مقدور کے موافق ایک مناسب تعداد تک لے سکتے ہیں اور پھر وہی قیمت دوسرے رسالہ کے طبع میں کام آ سکتی ہے۔ اگر میری جماعت میں ایسے احباب ہوں جو ان پر بوجہ املاک و اموال و زیورات وغیرہ کے زکوٰۃ فرض ہو تو ان کو سمجھنا چاہئے کہ اس وقت دین اسلام جیسا غریب اور یتیم اور بے کس کوئی بھی نہیں اور زکوٰۃ نہ دینے میں جس قدر تہدید شرع وارد ہے وہ بھی ظاہر ہے اور عنقریب ہے جو منکر زکوٰۃ کافر ہو جائے پس فرض عین ہے جو اسی راہ میں اعانتِ اسلام میں زکوٰۃ دی جاوے کہ زکوٰۃ میں کتابیں خریدی جائیں اور مفت تقسیم کی جائیں۔ اور میری تالیفات بجز اِن رسائل کے اور بھی ہیں جو نہایت مفید ہیں جیسے رسالہ احکام القرآن اور اربعین فی علامات المقربین اور سراج منیر اور تفسیر کتاب عزیز۔ لیکن چونکہ کتاب براہین احمدیہ کا کام از بس ضروری ہے اسلئے بشرط فرصت کوشش کی جائے گی کہ یہ رسائل بھی درمیان میں طبع ہو کر شائع ہو جائیں آئندہ ہر ایک امر اللہ جلّشانہٗ کے اختیار میں ہے یَفْعَلُ مَایَشَآءُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ''۔

(نشانِ آسمانی۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 407-406)

آپ علیہ السلام نے اشاعتِ اسلام کے کام کے لئے پریس کی ضرورت کو بیان فرماتے ہوئے احبابِ جماعت کو ان الفاظ میں تحریک فرمائی:

''قابل توجہ احباب

......اے جماعت مخلصین خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اس وقت ہمیں تمام قوموں کے ساتھ مقابلہ درپیش ہے اور ہم خدا تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اگر ہم ہمت نہ ہاریں اور اپنے سارے دل اور سارے زور اور ساری توجہ سے خدمت اسلام میں مشغول ہوں تو فتح ہماری ہوگی۔ سو جہاں تک ممکن ہو اس کام کیلئے کوشش کرو۔ ہمیں اس وقت تین قسم کی جمعیت کی سخت ضرورت ہے جس پر ہمارے کام اشاعت حقائق و معارف دین کا سارا مدار ہے۔ اول یہ کہ ہمارے ہاتھ میں کم سے کم دو پریس ہوں۔ دوئم ایک خوشخط کاپی نویس۔ سوئم کاغذ۔ ان تینوں مصارف کے لئے اڑھائی سو روپیہ ماہواری کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ اب چاہئے کہ ہر ایک دوست اپنی اپنی ہمت اور مقدرت کے موافق بہت جلد بلاتوقف اس چندہ میں شریک ہو۔ اور یہ چندہ ہمیشہ ماہواری طور سے ایک تاریخ مقررہ پر پہنچ جانا چاہئے۔ بالفعل یہ تجویز ہوئی ہے کہ بقیہ براہین اور ایک اخبار جاری ہو اور آئندہ جو جو ضرورتیں پیش آئیں گی ان کے موافق وقتاً فوقتاً رسائل نکلتے رہیں گے۔ اور چونکہ یہ تمام کاروبار چندہ پر موقوف ہے اس لئے اس بات کو پہلے سوچ لینا چاہئے کہ اُس قدر اپنی طرف سے چندہ مقرر کریں جو بہ سہولت ماہ بماہ پہنچ سکے۔ اے مردمانِ دین کوشش کرو کہ یہ کوشش کا وقت ہے اپنے دلوں کو دین کی ہمدردی کیلئے جوش میں لاؤ کہ یہی جوش دکھانے کے دن ہیں۔ اب تم خدا تعالیٰ کو کسی اور عمل سے ایسا راضی نہیں کر سکتے جیسا کہ دین کی ہمدردی سے۔ سو جاگو اور اٹھو اور ہوشیار ہو جاؤ اور دین کی ہمدردی کے لئے وہ قدم اٹھاؤ کہ فرشتے بھی آسمان پر جزاکم اللہ کہیں اس سے مت غمگین ہو کہ لوگ تمہیں کافر کہتے ہیں تم اپنا اسلام خدا تعالیٰ کو دکھلاؤ اور اتنے جھکو کہ بس فدا ہی ہو جاؤ۔'' (آئینہ کمالاتِ اسلام۔ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 636)

آپ علیہ السلام اشاعتِ اسلام کے کام میں معاونت کے لئے طبقہ امراء کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس کو غور سے پڑھو کہ اس میں آپ لوگوں کے لئے خوشخبری ہے

بخدمت امراء و رئیسان و منعمان ذی مقدرت و والیان

اربابِ حکومت و منزلت

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اے بزرگانِ اسلام خدا تعالیٰ آپ لوگوں کے دلوں میں تمام فرقوں سے بڑھ کر نیک ارادے پیدا کرے اور اس نازک وقت میں آپ لوگوں کو اپنے پیارے دین کا سچا خادم بناوے۔ میں اس وقت محض لِلّٰہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دینِ متین اسلام کی تجدید اور تائید کے لئے بھیجا ہے تا کہ میں اس پُرآشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں ظاہر کروں اور اُن تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں اُن نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کئے گئے ہیں سو یہ کام برابر دس برس سے ہو رہا ہے لیکن چونکہ وہ تمام ضرورتیں جو ہم کو اشاعتِ اسلام کیلئے درپیش ہیں بہت سی مالی امدادات کی محتاج ہیں۔ اس لئے میں نے یہ ضروری سمجھا کہ بطور تبلیغ آپ صاحبوں کو اطلاع دوں۔ سو سنو اے عالیجاہ بزرگو۔ ہمارے لئے اللہ جلّشانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں یہ مشکلات درپیش ہیں کہ ایسی تالیفات کے لئے جو لاکھوں آدمیوں میں پھیلانی چاہئے بہت سے سرمایہ کی حاجت ہے اور اب صورت یہ ہے کہ اوّل تو ان بڑے بڑے مقاصد کے لئے کچھ بھی سرمایہ کا بندوبست نہیں اور اگر بعض پُرجوش مردانِ دین کی ہمت اور اعانت سے کوئی کتاب تالیف ہو کر شائع ہو تو بباعث کم توجہی اور غفلت زمانہ کے وہ کتاب بجز چند نسخوں کے زیادہ فروخت نہیں ہوتے اور اکثر نسخے اس کے یا تو سالہا سال صندوقوں میں بند رہتے ہیں یا لِلّٰہ مفت تقسیم کئے جاتے ہیں اور اس طرح اشاعتِ ضروریاتِ دین میں بہت سا حرج ہو رہا ہے اور گو خدا تعالیٰ اس جماعت کو دن بدن زیادہ کرتا جاتا ہے مگر ابھی تک ایسے دولتمندوں میں سے ہمارے ساتھ کوئی بھی نہیں کہ کوئی حصہ معتد بہ اس خدمتِ اسلام کا اپنے ذمہ لے لے اور چونکہ یہ عاجز خدا تعالیٰ سے مامور ہو کر تجدید دین کے لئے آیا ہے اور مجھے اللہ جلّ شانہٗ نے یہ

خوشخبری بھی دی ہے کہ وہ بعض امراء اور ملوک کو بھی ہمارے گروہ میں داخل کرے گا۔ اور مجھے اُس نے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دُونگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ سو اسی بنا پر آج مجھے خیال آیا کہ میں اربابِ دولت اور مقدرت کو اپنے کام کی نصرت کے لئے تحریک کروں۔

اور چونکہ یہ دینی مدد کا کام ایک عظیم الشان کام ہے اور انسان اپنے شکوک اور شبہات اور وساوس سے خالی نہیں ہوتا اور بغیر شناخت وہ صدق بھی پیدا نہیں ہوتا جس سے ایسی بڑی مددوں کا حوصلہ ہو سکے اس لئے میں تمام امراء کی خدمت میں بطور عام اعلان کے لکھتا ہوں کہ اگر ان کو بغیر آزمائش ایسی مدد میں تامل ہو تو وہ اپنے بعض مقاصد اور مہمات اور مشکلات کو اس غرض سے میری طرف لکھ بھیجیں کہ تا میں اُن مقاصد کے پورا ہونے کے لئے دعا کروں۔ مگر اس بات کو تصریح سے لکھ بھیجیں کہ وہ مطلب کے پورا ہونے کے وقت کہاں تک ہمیں اسلام کی راہ میں مالی مدد دیں گے اور کیا انہوں نے اپنے دلوں میں پختہ اور حتمی وعدہ کر لیا ہے کہ ضرور وہ اس قدر مدد دینگے۔ اگر ایسا خط کسی صاحب کی طرف سے مجھ کو پہنچا تو میں اُسکے لئے دُعا کرونگا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ بشرطیکہ تقدیر مبرم نہ ہو ضرور خدا تعالیٰ میری دُعا سُنے گا اور مجھ کو الہام کے ذریعہ سے اطلاع دے گا...... اور یہ امور منکرین کے لئے نشان بھی ہونگے اور شاید یہ نشان اس قدر ہو جائیں کہ دریا کی طرح بہنے لگیں''۔

(برکات الدعاء۔ روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 36-34)

آپ علیہ السلام احبابِ جماعت کو دیارِ عرب میں اپنی کتب کی اشاعت کے کام کے لئے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پس ہم اہل مقدور دوستوں کے اخلاص سے امید رکھتے ہیں کہ اس کام کے اہتمام کی طرف سارے دل اور ساری ہمت سے مصروف ہوں اور ہمیں کچھ حاجت نہیں کہ ہم زیادہ کہیں اور کلام میں مبالغہ کریں اور پُر تکلف بیانوں سے اپنے دوستوں اور مخلصوں کو تحریک دیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ان کے لئے اشارت کافی ہوگی لِلّٰہ کام کرنا ان کی عادت ہے۔ پس چاہیئے کہ ہر ایک ان میں سے بقدر خداداد استطاعت دیوے اور اس بات سے شرم نہ کرے کہ وہ کچھ تھوڑا دیتا ہے اور اس بات کو معلوم کرے کہ غرض اصلی یہ ہے کہ دیوے اگرچہ ایک پیسہ یا اس کا چوتھا حصہ یا کھجور کے اندر کے چھلکے سے بھی تھوڑا ہو اور جو شخص خوش اوقات کھاتا پیتا ہو سو اگر چاہے تو اپنی حیثیت کے مناسب دیوے اور یہ کام محض لِلّٰہ اور اس کی خوشنودی کے لئے ہے اور جو شخص ایک ذرہ کے موافق بھی بھلائی کرے گا وہ اس کا اجر پائے گا اور خدا اس کے مال اور اہل اور عیال میں برکت دے گا اور جو کچھ تم خدا کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہاری طرف دنیا اور آخرت میں پھر لوٹ کر واپس آئے گا اور تم نقصان نہیں اٹھاؤ گے پس اگر تم ایک بیج دو گے تو تمہارے لئے ایک زراعت ہوگی اگر قطرہ دو گے تو تمہارے لئے دریا ہوگا اور خدا نیکوکاروں کا کبھی اجر ضائع نہیں کرتا...... اور چاہیئے کہ بھیجنے والے بھیجنے کے لئے جلدی کریں کیونکہ وقت تنگ ہے اور مہمان عزیز سفر کو تیار ہے اور ہم پر واجب ہو چکا ہے کہ جو غفلت میں ہیں ان کو بہت جلد متنبہ کریں پس مناسب نہیں کہ تم سستی کر کے بیٹھے رہو بعد اس کے جو میں نے اس امر کی ضرورت بیان کر دی پس تم مدد کے لئے آگے قدم بڑھاؤ اور پیچھے مت ہٹو اور ہاتھوں کو جھاڑو تا مدد دیئے جاؤ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ایک دوسرے سے سبقت کرو اور چاہیئے کہ بھیجنے والا اسی جگہ قادیان میں بھیجے جو کچھ درہم یا دینار بھیجنا ہو اور اپنے خط میں بیان کر دے کہ یہ روپیہ اس کے لئے بھیجا گیا ہے''۔

(عربی عبارت کا ترجمہ از نور الحق الحصۃ الاولیٰ۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 29-27)

آپ علیہ السلام مختلف نوع کی ضروریات کے حوالہ سے احبابِ جماعت کو مالی خدمت کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر ایک شخص جو اپنے تئیں بیعت شدوں میں داخل سمجھتا ہے اُس کے لئے اب وقت ہے کہ اپنے مال سے بھی اس سلسلہ کی خدمت کرے۔ جو شخص ایک پیسہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ سلسلہ کے مصارف کے لئے ماہ بماہ ایک پیسہ دیوے اور جو شخص ایک روپیہ ماہوار دے سکتا ہے وہ ایک روپیہ ماہوار ادا کرے۔ کیونکہ علاوہ لنگر خانہ کے اخراجات کے دینی کارروائیاں بھی بہت سے مصارف چاہتی ہیں۔ صدہا مہمان آتے ہیں مگر ابھی تک بوجہ عدم گنجائش مہمانوں کے لئے آرام دِہ مکان میسر نہیں۔ جیسا کہ چاہیئے چارپائیوں کا انتظام نہیں۔ توسیع مسجد کی ضرورتیں بھی پیش ہیں۔ تالیف اور اشاعت کا سلسلہ بمقابل مخالفوں کے نہایت کمزور ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے جہاں پچاس ہزار رسالے اور مذہبی پرچے نکلتے ہیں۔ ہماری طرف سے بالالتزام ایک ہزار بھی ماہ بماہ نکل نہیں سکتا۔ یہی امور ہیں جن کے لئے ہر ایک بیعت کنندہ کو بقدر وُسعت مدد دینی چاہیئے۔ تا خدا تعالیٰ بھی انہیں مدد دے۔ اگر بے ناغہ ماہ بماہ ان کی مدد پہنچتی رہے گو تھوڑی مدد ہو تو وہ اس مدد سے بہتر ہے جو مدت تک فراموشی اختیار کر کے پھر کسی وقت اپنے ہی خیال سے کی جاتی ہے۔ ہر ایک شخص کا صدق اس کی خدمت سے پہچانا جاتا ہے۔ عزیزو! یہ دین کے لئے اور دین کی اغراض کے لئے خدمت کا وقت ہے۔ اس وقت کو غنیمت سمجھو کہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ چاہیئے کہ زکوٰۃ دینے والا اسی جگہ اپنی زکوٰۃ بھیجے۔ اور ہر ایک شخص فضولیوں سے اپنے تئیں بچاوے اور اس راہ میں وہ روپیہ لگاوے۔ اور بہرحال صدق دکھاوے تا فضل اور روح القدس کا انعام پاوے۔ کیونکہ یہ انعام اُن لوگوں کے لئے تیار ہے جو اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں''۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 83)

آپ علیہ السلام نے طاعون کے پھیلنے کے پیشِ نظر ''اَلدَّار'' کی توسیع کے لئے چندہ کی تحریک ان الفاظ میں فرمائی:

''درخواست چندہ برائے توسیع مکان

چونکہ آئندہ اس بات کا سخت اندیشہ ہے کہ طاعون ملک میں پھیل جائے اور ہمارے گھر میں جس میں بعض حصوں میں مرد بھی مہمان رہتے ہیں اور بعض حصوں میں عورتیں۔ سخت تنگی واقعہ ہے۔ اور آپ لوگ سن چکے ہیں کہ اللہ جلّشانہٗ نے ان لوگوں کے لئے جو اس گھر کی چاردیوار کے اندر ہوں گے حفاظت خاص کا وعدہ فرمایا ہے اور اب وہ گھر جو غلام حیدر متوفی کا تھا جس میں ہمارا حصہ ہے۔ اُس کی نسبت ہمارے شریک راضی ہو گئے ہیں کہ ہمارا حصہ دیں اور قیمت پر باقی حصہ بھی دے دیں۔ میری دانست میں یہ حویلی جو ہماری حویلی کا ایک جُز ہو سکتی ہے۔ دو ہزار تک تیار ہو سکتی ہے۔ چونکہ خطرہ ہے کہ طاعون کا زمانہ قریب ہے اور یہ گھر وحی الٰہی کی خوشخبری کی رو سے اس طوفانِ طاعون میں بطور کشتی کے ہوگا۔ نہ معلوم کس کس کو اس کی بشارت کے وعدہ سے حصہ ملے گا اس لئے یہ کام بہت جلدی

کا ہے۔ خدا پر بھروسہ کر کے جو خالق اور رازق ہے اور اعمال صالحہ کو دیکھتا ہے کوشش کرنی چاہئے۔ میں نے بھی دیکھا کہ یہ ہمارا گھر بطور کشتی کے تو ہے مگر آئندہ اس کشتی میں نہ کسی مرد کی گنجائش ہے نہ عورت کی۔ اس لئے توسیع کی ضرورت پڑی۔ وَالسّلام علٰی من اتبع الھدٰی''۔ (کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 86)

آپ علیہ السلام نے دیگر ضروریات کے ساتھ ساتھ مدرسہ کی ضروریات کے لئے چندہ کی تحریک ان الفاظ میں فرمائی:

''اب مختصر کلام یہ ہے کہ علاوہ لنگر خانہ اور میگزین کے جو انگریزی اور اُردو میں نکلتا ہے جس کے لئے اکثر دوستوں نے سرگرمی ظاہر کی ہے ایک مدرسہ بھی قادیان میں کھولا گیا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہے کہ نوعمر بچے ایک طرف تو تعلیم پاتے ہیں۔ اور دوسری طرف ہمارے سلسلہ کے اصولوں سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں۔ اس طرح پر بہت آسانی سے ایک جماعت طیار ہو جاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات اُن کے ماں باپ بھی اس سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان دنوں میں ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات میں پڑا ہوا ہے...... علاوہ اس کے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں جو اب تک طیار نہیں ہو سکیں۔ یہ غم علاوہ اور غموں کے میری جان کو کھا رہا ہے۔ اس کی بابت میں نے بہت سوچا کہ کیا کروں آخر یہ تدبیر میرے خیال میں آئی کہ میں اس وقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہوں کہ پوری توجہ سے اس مدرسہ کے لئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں تو چاہئے کہ ہر ایک اُن میں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جس کے لئے وہ ہرگز تخلف نہ کرے۔ مگر کسی مجبوری سے جو قضاء وقدر سے واقع ہو۔ اور جو صاحب ایسا نہ کر سکیں ان کے لئے بالضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے۔ کہ جو کچھ وہ لنگر خانہ کے لئے بھیجتے ہیں۔ اس کا چہارم حصہ براہ راست مدرسہ کے لئے نواب صاحب موصوف کے نام بھیج دیں۔...... میں اپنے نفس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا ہے۔ مَیں نے خوب سوچا ہے۔ اور بار بار مطالعہ کیا ہے میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اُس کے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتوں کی ہماری طرف آ سکتی ہے۔ اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اکثر طالب علم نہ دین کے لئے بلکہ دنیا کے لئے پڑھتے ہیں۔ اور اُن کے والدین کے خیالات بھی اسی حد تک محدود ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہر روز کی صحبت میں ضرور اثر ہوتا ہے۔ اگر بیس طالب علموں میں سے ایک بھی ایسا نکلے جس کی طبیعت دینی امور کی طرف راغب ہو جائے۔ اور وہ ہمارے سلسلہ اور ہماری تعلیم پر عمل کرنا شروع کرے تب بھی میں خیال کروں گا کہ ہم نے اس مدرسہ کی بنیاد سے اپنے مقصد کو پا لیا...... اب مَیں اسی قدر پر بس کرتا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ جو مدّعا مَیں نے پیش کیا ہے میری جماعت کو اُس کے پورا کرنے کی توفیق دے۔ اور ان کے مالوں میں برکت ڈالے۔ اور اس کارِ خیر کے لئے ان کے دلوں کو کھول دے آمین ثم آمین۔ والسّلام علٰی من اتبع الھُدٰی''۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 80-79)

اشاعتِ اسلام کے کام کی اہمیت اور چند لازمی ضروریات بیان فرمودہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تفصیلاً درج ذیل مقامات سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

1۔ براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 8-2

2۔ براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 320-316

3۔ ازالۂ اوہام حصہ دوم۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 516-520

4۔ نشانِ آسمانی۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 412-406

5۔ برکات الدعاء۔ روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 37-34

6۔ نور الحق الحصّۃ الاولیٰ۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 31-19

7۔ منن الرحمٰن۔ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 144-142

8۔ تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 80-75

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے۔ انشاء اللہ)

دنیا کا مؤثر ترین انسان

1978ء میں نیویارک میں شائع ہونے والی کتاب "The Hundred" میں ایسے ایک سو انسانوں کے حالات زندگی اور کارنامے بیان کئے گئے ہیں جو مؤثر ترین شخصیات ہیں۔ اس میں سرفہرست حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسم گرامی ہے۔

مائیکل ایچ ہارٹ نامی مصنف کے خیال میں دنیا میں عظیم انسان تو بہت سے گزر چکے ہیں لیکن ایسے انسان جنہوں نے تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ دیرپا اثر چھوڑا اور لوگوں کی زندگیوں کو نیا انداز دیدیا، اُن کا ذکر اس کتاب میں ہے۔ فہرست میں آنحضور ﷺ کے بعد بالترتیب نیوٹن، حضرت عیسیٰؑ، گوتم بدھا، کنفیوشس، سینٹ پال، سائی لون، گوٹن برگ، کولمبس اور آئن سٹائن ہیں۔

کتاب میں متعدد تاریخی حوالہ جات، جدول اور انڈیکس وغیرہ دیئے گئے ہیں۔ مصنف نے آنحضور ﷺ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''دنیا کی مؤثر ترین شخصیات کی فہرست میں پہلے نمبر پر محمد ﷺ کا انتخاب کرنے میں غالباً کچھ لوگ حیران ہوں گے اور کچھ شاید استفسار کریں گے لیکن تاریخ انسانی میں وہ تنہا شخصیت تھے جو مابہ الامتیاز مذہبی اور دنیوی سطحوں پر کامیاب رہے تھے۔

محمد ﷺ کا نسب اگرچہ منکسر المزاج خاندان سے تھا، اس کے باوجود انہوں نے نہ صرف دنیا کے ایک عظیم مذہب کی بنیاد رکھی بلکہ اس کی وسیع اشاعت وتشہیر کے بھی وہ بانی مبانی تھے اسی وجہ سے وہ مؤثر سیاسی لیڈر بھی بن گئے۔ آج اُن کی وفات کے تیرہ صدیوں بعد بھی اُن کا اثر نہایت طاقتور اور وسیع ہے۔''

اس کے بعد مصنف نے آنحضور ﷺ کی ابتدائی زندگی اور بعثت کے علاوہ آپ کی ہجرت اور جنگی فتوحات کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد بعض دیگر شخصیات (بشمول حضرت عیسیٰؑ) سے آنحضور ﷺ کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اور مختلف زاویوں سے آنحضور ﷺ کو سرفہرست رکھنے کے کئی جواز پیش کئے ہیں۔

عِلم اور عُلَماء

(قمر داؤد کھوکھر. آسٹریلیا)

1۔عِلم اور عُلَماء

علم کیا ہے اور علم کا حقیقی منبع اور علم کا اصلی سر چشمہ کیا ہے اور کون ہے؟ اس کا جواب قرآن مجید میں یہ دیا گیا ہے: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (البقرہ:232) اور جان لو کہ اللہ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (النساء:177) اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔ نیز فرمایا: قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ (سورۃ الملک:27) تو کہہ دے کہ علم تو صرف اللہ ہی کو ہے۔

پس متعدد آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی علم کا اصلی سر چشمہ اور حقیقی منبع ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ان میں سے بعض بطور خاص اللہ تعالیٰ کے علم پر دلالت کرتی ہیں مثلاً عَلِیم، خَبِیر، عَلَّامُ الغُیُوب، عَالِمُ الغَیْبِ وَالشَّھَادَۃ، عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر، اَلشَّھِیْد، اَلْبَصِیْر وغیرہ۔

2۔ علم الٰہی کی کیفیت

اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ذات وصفات کی طرح ازلی ابدی ہے۔ قرآن کریم تو سارا ہی علم الٰہی پر مبنی ہے۔ جس میں سینکڑوں آیات ایسی ہیں جن میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے علم کو بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً کیا یہ اس بات کو نہیں جانتے کہ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اللہ اسے جانتا ہے (البقرہ:78)۔ اور جان لو کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ اسے جانتا ہے، پس تم اس بات سے ڈرو (البقرہ:36)۔ جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ سب جانتا ہے۔ اور وہ اس کی مرضی کے سوا اس کے علم کے کسی حصہ کو نہیں پا سکتے۔ اس کا علم آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے (البقرہ:256)۔ وہ اللہ پوشیدہ بات کو بھی جانتا ہے اور جو بہت ہی پوشیدہ بات ہوتی ہے اسے بھی جانتا ہے (طٰہٰ:8)۔ اللہ، یقیناً سینہ کے اندر کی سب باتوں کو جانتا ہے (لقمان:24)۔ قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور رحموں میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا عمل کرے گا اور نہ کوئی شخص جانتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ اللہ ہی یقیناً جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے (لقمان:35)۔ اللہ آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور اسے بھی جس کو سینے چھپاتے ہیں (المؤمن:20)۔

یہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کیفیت ہے۔ جس کا علم بھی قرآن کریم سے ہی ہوتا ہے۔ جس کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔

3۔علم کی تعریف اور اس کی اقسام

امام راغبؒ الاصفہانی نے 'اَلْمُفْرَدَاتُ فِی غَرِیْبِ الْقُرْآن' میں لفظ علم کے تحت لکھا ہے کہ ''کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا علم کہلاتا ہے۔ اور یہ دو قسم پر ہے۔ اول یہ کہ کسی چیز کی ذات کا ادراک کر لینا''۔ (مفردات امام راغب، زیر لفظ علم)

امام راغب نے قرآن کریم میں لفظ علم سے خاص علم مراد لیا ہے۔ جس پر انسان از خود واقف نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ اس پر واقف نہ فرمائے لوگ اسے قابل انکار سمجھتے ہیں۔ امام راغب نے اس علمِ خاص سے مراد علم غیب بھی لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''آیت کریمہ عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن:27-28) وہی غیب کا جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس رسول کو وہ پسند فرمائے، میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ اپنے خصوصی علم سے صرف انہیں کو نوازتا ہے جو اس کے اولیاء کی صف میں داخل ہوں''۔ (المفردات زیر لفظ علم)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اللہ انصاف کے مطابق یہ گواہی دیتا ہے کہ حقیقت یہی ہے کہ اُس کے سوا اَور کوئی معبود نہیں اور فرشتے بھی اور علم والے بھی یہی گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا عبادات کا کوئی بھی مستحق نہیں (آل عمران:19)۔

ساتویں صدی کے مشہور محدث حضرت علامہ امام ابن قیمؒ الجوزی اس کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہاں علم سے مراد وحی الٰہی ہے، جس کا نزول انبیاء کرامؑ پر ہوا فلسفہ وکلام کا علم مراد نہیں۔ اور یہی معنی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: اللہ گواہی دیتا ہے اس کی جو اس نے تیری طرف اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے (النساء:167)۔ یہاں بِعِلْمِهٖ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اتارا ہے اس کا علم بھی اسی میں ہے جسے کوئی بشر بغیر وحی کے نہیں جان سکتا۔ یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے کہ: پھر اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو تم جان لو کہ کتاب اللہ، علم کے ساتھ نازل ہوئی ہے (ہود:15)۔ یعنی یہ کتاب اس حال میں نازل ہوئی ہے کہ اس میں اللہ کا علم ہے۔'' (تفسیری نکات از امام قیم، صفحہ 294-295)

ابن وہبؒ بیان کرتے تھے کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ حکمت اور علم بہت سے مسائل کا یاد کر لینا نہیں ہے بلکہ وہ ایک نور ہے، جس کے ذریعہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے۔ (جامع بیان العلم، ابن عبد البر، صفحہ 63) حضرت امّ درداءؓ کا قول ہے کہ افضل ترین علم معرفت الٰہی ہے۔ (جامع بیان العلم، ابن عبد البر، صفحہ 159)

کتب حدیث میں حدیث جبریلؑ کو اصول دین کے بیان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں کتب میں موجود ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو اپنے مجموعہ کی پہلی کتاب 'کتاب الایمان' میں سب سے پہلے درج فرمایا ہے۔ اس حدیث میں حضرت جبریلؑ نے صحابہؓ رسول ﷺ کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ سے چار سوال پوچھے تھے؛ اول یہ کہ مجھے اسلام کے بارہ میں خبر دیجئے، دوم یہ کہ مجھے ایمان کے بارہ میں خبر دیں، تیسرے یہ کہ مجھے احسان کے بارہ میں بتائیں اور چہارم یہ کہ قیامت کے متعلق مجھے بتائیے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان باتوں کا جواب فرما دیا تو آپؐ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جبریلؑ تھے جو تمہارے پاس تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک علم کی تعریف اور اس کی اقسام

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علم کی تعریف میں اپنی کتب اور ملفوظات میں متعدد ارشادات فرمائے ہیں اُن میں سے چند یہ ہیں:

(1) ''قرآن کے عرف میں علم اسی چیز کا نام ہے کہ جو قطعی اور یقینی ہو۔''

(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ 264-266 تفسیر حضرت مسیح موعود جلد 3 صفحہ 140)

(2) سورۃ فاطر کی آیت 29، اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا، کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ: ''اس آیت کریمہ کے معنوں کا مآل اور ماحصل یہی ہوا کہ اسلام کے حصول کا وسیلہ یہی علم عظمتِ ذات و صفاتِ باری ہے۔'' (آئینہ کمالات اسلام صفحہ:185 تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد 3 صفحہ 753)

(3) حضرت اقدسؑ نے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' میں علم کی تعریف اور اس کی اقسام کو بیان فرمایا ہے۔ حضورؑ نے علم کے معنے یقینی معرفت کے لیے ہیں اور اس کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں یعنی علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 433-431)

(4) سورۃ کوثر کی آیت اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی تفسیر میں فرمایا: 'ہم نے تجھ کو معارف کثیرہ عطا فرمائے ہیں'۔ (براہین احمدیہ صفحہ 517 تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد 4 صفحہ 734)

(5) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ: ''علم سے مراد منطق یا فلسفہ نہیں ہے بلکہ حقیقی علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہوتا ہے اور اس سے خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:29)۔ اگر علم سے اللہ تعالیٰ کی خشیت میں ترقی نہیں ہوتی تو یاد رکھو کہ وہ علم ترقی معرفت کا ذریعہ نہیں ہے۔'' (ملفوظات جلد اول، صفحہ:295)

(6) حضور علیہ السلام اپنی تصنیف 'البلاغ' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''علم دین آسمانی علوم میں سے ہے اور یہ علوم تقویٰ اور طہارت اور محبتِ الٰہیہ سے وابستہ ہیں اور سگِ دنیا کو نہیں مل سکتے۔'' (روحانی خزائن، جلد 13 صفحہ 373-372)

(7) ایک موقعہ پر فرمایا: ''اصل میں علماء عالم کی جمع ہے اور علم اس چیز کو کہتے ہیں جو یقینی اور قطعی ہو اور سچا علم قرآن کریم سے ملتا ہے یہ نہ یونانیوں کے فلسفہ سے ملتا ہے نہ حال کے انگلستانی فلسفہ سے۔ بلکہ یہ سچا ایمانی فلسفہ سے حاصل ہوتا ہے۔ مومن کا کمال اور معراج یہی ہے کہ وہ علماء کے درجہ پر پہنچے اور وہ حق الیقین کا مقام اسے حاصل ہو جو علم کا انتہائی درجہ ہے۔'' (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد 3 صفحہ 753)

(8) حضور علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

''علم سے مراد میری دانست میں علم القرآن ہے۔ اس سے فلسفہ، سائنس یا علوم مروجہ مراد نہیں کیونکہ ان کے حصول کے لیے تقویٰ اور نیکی کی شرط نہیں بلکہ جیسے ایک فاسق فاجر ان کو سیکھ سکتا ہے ویسے ہی ایک دیندار بھی۔ لیکن علم القرآن بجز متقی اور دیندار کے کسی دوسرے کو دیا ہی نہیں جاتا۔ پس اس جگہ علم سے مراد علم القرآن ہی ہے جس سے تقویٰ اور خشیت پیدا ہوتی ہے۔'' (ملفوظات، جلد 8 صفحہ 303)

علم اور معرفت

گزشتہ سطور میں علم کے معنی معرفت کے بیان ہوئے ہیں۔ معرفت اور عرفان کے معانی پہچان یا شناخت کے ہیں یعنی کسی چیز کا اس کی علامات و آثار پر غور وفکر کر کے اس کا ادراک کر لینا۔ چنانچہ انسان ذاتِ الٰہی کا علم حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی ذات کا ادراک کر سکتا ہے۔ البتہ کائنات اور آثار قدرت پر غور وفکر کر کے اس کی صفات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا (طٰہٰ:111) کہ وہ اپنے علم کے ذریعہ اس خدا کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ نیز فرمایا: لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ (الانعام:104) کہ نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں لیکن وہ نظروں تک پہنچتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے ''شحنۂ حق'' میں تحریر فرمایا ہے کہ: ''بصارتیں اور بصیرتیں اس کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتیں''۔ اور اپنی دوسری تصنیف ''ست بچن'' میں فرمایا ہے کہ: ''یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی کنہ کوئی عقل دریافت نہیں کر سکتی۔'' (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ، جلد 2 صفحہ 492-491)

ایک اَور مقام پر حضورؑ نے فرمایا کہ: ''بجز اس طریق کے کہ خدا خود ہی تجلی کرے اور کوئی دوسرا طریق نہیں ہے جس سے اس کی ذات پر یقین کامل حاصل ہو۔ لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ابصار پر وہ آپ ہی روشنی ڈالے تو ڈالے، ابصار کی مجال نہیں کہ خود اپنی قوت سے اسے شناخت کر لیں۔'' (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ، جلد 2 صفحہ 493)

تین طرح کے علماء

امام فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں کہ: ''بعض محققین فرماتے ہیں کہ علماء تین طرح کے ہوتے ہیں: (1) عالم باللہ مگر عالم بامر اللہ نہ ہو۔ (2) عالم بامر اللہ مگر عالم باللہ نہ ہو۔ (3) عالم باللہ بھی ہو اور عالم بامر اللہ بھی ہو۔

اول وہ بندہ ہے جس کے دل پر معرفت الٰہیہ نے اس قدر غلبہ کیا کہ وہ نور جلال اور صفات کبریاء میں مستغرق ہو جانے کی وجہ سے ضروری مسائل سے زیادہ علم حاصل نہ کر سکا۔ دوسرا وہ آدمی ہے جس نے حلال وحرام کو پہچانا، احکام الٰہی کا علم حاصل کیا لیکن جلال الٰہی کے اسرار سے بے بہرہ رہا۔ اور تیسرا آدمی عالم معقولات و عالم محسوسات کے درمیان حد مشترک پر بیٹھا ہے کبھی وہ ازروئے محبت خدا کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی ازروئے شفقت ورحمت مخلوق کے ساتھ۔ جب وہ خالق سے مخلوق کی طرف آتا ہے تو ان کا ایک فرد بن جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ معرفت الٰہی نہیں رکھتا۔ اور جب جلوت سے خلوت میں آتا ہے تو ربّ قدوس کی عبادت ومناجات اور ذکر وفکر میں اس طرح مشغول ہوتا ہے جیسے وہ مخلوق سے بالکل ناواقف ہے۔ یہ مرسلین وصدیقین کا طریق ہے۔

4۔ انسان کو عطا ہونے والے علم کی کیفیت

جہاں تک انسانوں کو عطا ہونے والے علم کا تعلق ہے یعنی انسانوں کو جو علم حاصل ہوتا ہے یا جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کو عطا کیا جاتا ہے اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ تو بہت تھوڑا ہے (بنی اسرائیل:86)۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہر علم اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے کسی انسان کو خود سے علم نہیں ملتا حتیٰ کہ اللہ کے فرشتوں نے بھی یہی کہا تھا کہ پاک ہے تو ہمیں کسی بات کا کچھ علم نہیں سوائے اس کے جس کا تو ہمیں علم دے۔ یقیناً تو ہی ہے جو دائمی علم رکھنے والا اور بہت حکمت والا ہے (البقرہ:33)۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: اور جو کچھ بھی تم کو دیا گیا ہے وہ اس زندگی کا سامان ہے (الشوریٰ:37)۔ ان دونوں آیات میں مذکور متاع کی تفصیل ایک دوسرے مقام پر بیان فرمائی گئی ہے کہ لوگوں کو پسند کی جانے والی چیزوں کی یعنی عورتوں اور بیٹوں اور سونے اور چاندی کے محفوظ خزانوں اور خوبصورت گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کی محبت اچھی شکل میں دکھائی گئی ہے۔ یہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے (آل عمران:15)۔

مذکورہ آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ جو کچھ دنیا کے تمام انسانوں کو دیا جاتا

ہے وہ متاع دنیا ہے۔ اور اسی متاع کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ قلیل ہے، بہت تھوڑی ہے۔ حالانکہ اگر ظاہری نظر سے دیکھا جائے تو ساری دنیا کی اس متاع کا بھی کوئی انسان احاطہ نہیں کرسکتا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے علم کے لیے لفظ قلیل استعمال فرمایا تو انسان کو دیے جانے والے قلیل علم کا بھی انسان احاطہ نہیں کرسکتا۔

انسان کے علم کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور طریق پر بھی بیان فرمایا ہے کہ جب انسان اپنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے لگتا ہے تو جسم کی ظاہری کمزوری کے ساتھ ساتھ اس کا ذہن بھی کمزور ہونے لگتا ہے اور جو علم اسے حاصل ہوا ہوتا ہے وہ اسے بھولنے لگتا ہے۔ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور تم میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو عمر کی بدترین حالت کی طرف لوٹا دئے جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ علم والے ہونے کے بعد پھر بے علم ہو جاتے ہیں (النحل: 71)۔ اسی مضمون کو سورہ حج کی آیت 6 میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

اسی لیے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ خواہ انسان کو کتنا ہی علم حاصل ہو جائے پھر بھی وہ مزید علم کے حصول کے لیے کوشش کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا سکھلائی گئی کہ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً (طٰہٰ: 115) اور کہتا رہ کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا۔ یہاں یہ نکتہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ پورے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو کسی اور چیز کی زیادتی کے حصول کے لیے دعا کا حکم نہیں دیا سوائے علم کی زیادتی کے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جیسے علم بذات خود ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کی زیادتی بھی بہت بڑی نعمت ٹھہری اس لیے ربّ کریم نے اس کے اضافہ کے لیے دعا کا حکم بھی دے دیا۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:
''چونکہ روحانی ترقی کی کوئی حد نہیں اس لیے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ دعا میں لگے رہتے ہیں اور ہمیشہ زیادہ نور مانگتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی روحانی ترقی پر سیر نہیں ہوتے اس لیے ہمیشہ دعا میں لگے رہتے ہیں کہ خدا ان کی ناقص حالت کو ڈھانپے اور پورا روشنی کا پیمانہ دے۔ اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے: قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً یعنی ہمیشہ علم کے لیے دعا کرتا رہ کیونکہ جیسا خدا بے حد ہے ایسا ہی اس کا علم بھی بے حد ہے۔'' (تفسیر حضرت مسیح موعود جلد 4 صفحہ 415 و جلد 3 صفحہ 226)

5۔ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہونے والے علم کی کیفیت

گزشتہ سطور میں اللہ تعالیٰ کے علم کی کیفیت کو قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا گیا تھا۔ اسی علیم و خبیر ہستی نے اپنے علم خاص کے لیے ایک اُمی محض یعنی محمد عربی ﷺ کو تمام انسانوں میں سے منتخب فرمایا اور آپ کو قرآن مجید کی صورت میں وہ علم عطا فرمایا جو نہ آپؐ سے پہلے کسی کو عطا فرمایا اور نہ ہی آئندہ کسی کو عطا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اور اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور جو کچھ تو نہیں جانتا تھا تجھے سکھایا ہے اور تجھ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے (النساء: 114)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو کتاب و حکمت کے عطا کیے جانے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ فرما کر کہ جو کچھ تو نہیں جانتا تھا تجھے سکھایا ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل قرار دیا ہے۔ یعنی جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو بالخصوص عطا کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اسی فضل کا تذکرہ سورہ یونس کی آیات 58 اور 59 میں بھی فرمایا گیا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا یعنی قرآن کریم جیسے عظیم الشان فضل کے ملنے پر خوش ہوں۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے کلام نازل کیا ہے تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتا تھا کہ ایمان کیا چیز ہے۔ لیکن ہم نے اس وحی کو نور بنا دیا ہے۔ اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہم ہدایت دے دیتے ہیں اور تو یقیناً لوگوں کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہا ہے (الشوریٰ: 53)۔

امام الزمان، حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس تعلق میں فرماتے ہیں:
''ہمارے نبی ﷺ جو اوّل المسلمین ٹھہرے تو اس کا یہی باعث ہوا کہ اَوروں کی نسبت علوم معرفتِ الٰہی میں اَعْلَم ہیں یعنی علم اُن کا معارف الٰہیہ کے بارہ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے اُن کا اسلام بھی سب سے اعلیٰ ہے اور وہ اوّل المسلمین ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کے اس زیادت علم کی طرف اس دوسری آیت میں بھی اشارہ ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً یعنی خدا تعالیٰ نے تجھ کو وہ علوم عطا کئے جو تو خود بخود نہیں جان سکتا تھا اور فضل الٰہی سے فیضان الٰہی سب سے زیادہ تیرے پر ہوا۔ یعنی تو معارف الٰہیہ اور اسرار اور علوم ربانی میں سب سے بڑھ گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنی معرفت کے عطر کے ساتھ سب سے زیادہ تجھے معطر کیا۔''
(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 186-187)

حضورؑ مزید فرماتے ہیں کہ: ''ہمارے رسول اللہ ﷺ کی فراست اور فہم تمام امت کی مجموعی فراست اور فہم سے زیادہ ہے بلکہ اگر ہمارے بھائی جلدی سے جوش میں نہ آجائیں تو میرا یہی مذہب ہے جس کو دلیل کے ساتھ میں پیش کرسکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست اور فہم آپ کی فہم اور فراست کے برابر نہیں۔''
(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 307)

سورہ کوثر کی آیت: اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی تفسیر میں حضورؑ نے اس کے معنی کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: ''ہم نے تجھ کو معارف کثیرہ عطا فرمائے ہیں۔''
(براہین احمدیہ صفحہ 517، تفسیر حضرت مسیح موعود جلد 4 صفحہ 734)

قرآن کریم کا ایک اعجاز

قرآن کریم ایک علمی اور عقلی معجزہ ہے جو اپنے اندر بے شمار وجوہ اعجاز رکھتا ہے مثلاً الفاظ کا اعجاز، ترکیب کا اعجاز، اسلوب کا اعجاز، نظم کا اعجاز، مطالب و مقاصد کا اعجاز، ترتیب مضامین کا اعجاز، کمال تعلیم کا اعجاز، کمالات تعلیم کا اعجاز، ثمرات تعلیم کا اعجاز، معارف و حقائق اور علوم روحانیہ کا اعجاز، علوم حکمیہ کا اعجاز، روحانی تاثیرات و برکات کا اعجاز اور علوم غیب کا اعجاز۔ قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی ایک عظیم الشان اور بے نظیر معجزہ ہے جس کی مثال لانے کی قدرت نہ پہلے کبھی کسی کو ہوئی اور نہ ہی آئندہ کبھی ہو سکے گی۔

ساتویں صدی ہجری کے مجدد حضرت امام ابن تیمیہؒ یہ لکھتے ہیں کہ:
''...... جب آپؐ کے بارہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیے نہ کسی سے علم حاصل کیا اور نہ آپؐ پڑھنا لکھنا جانتے تھے اس کے باوجود آپؐ معارف و علوم کی ایک ایسی دستاویز پیش فرماتے ہیں کہ جس کا مقابلہ کرنے کی سکت بڑے بڑے علماء اور فضلاء بھی نہ کر سکے۔ اور ان کی حیرانی کی انتہا

نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ ایک امی انسان اس قسم کی تعلیمات کا سرچشمہ ہے تو وہ آپؑ کے فضائل کے گرویدہ ہو گئے اور آپؑ کی تعریف کے ساتھ ساتھ آپؑ کی اعجازی قوت کے قائل ہو گئے۔ اور اعتراف کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا کہ ہم نے آلات واسباب کے توسط اور کتابوں کے مطالعہ سے علم ومعرفت کے جوہر کو حاصل کیا، لیکن یہ شخص اسباب کے توسط کے بغیر مطلوب ومقصود سے بہرہ ور ہے اور علم و معرفت کا ایک ایسا سورج ہے جس کے سامنے ہمارے علم کی چمک دمک ناپید ہے۔ پس اللہ پاک کی یہ خاص نعمت ہے کہ امی ہونا جو آپؑ کے غیر کے لیے باعث عار ہے وہ آپؑ کے لیے باعث عز وافتخار ہے۔''

(الرد علی الاخنائی، اردو ترجمہ روضہ اقدس کی زیارت، از امام ابن تیمیہ صفحہ: 163)

قرآن مجید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ''قرآن شریف میں جس قدر باریک صداقتیں علم دین کی اور علوم دقیقہ الٰہیات کے اور براہین قاطعہ اصول حقہ کے معہ دیگر اسرار اور معارف کے مندرج ہیں اگر چہ وہ تمام فی حد ذاتہا ایسے ہیں کہ قویٰ بشریہ ان کو بہ ہیئت مجموعی دریافت کرنے سے عاجز ہیں۔ اور کسی عاقل کی عقل ان کے دریافت کرنے کے لیے بطور خود سبقت نہیں کرسکتی۔ کیونکہ پہلے زمانوں پر نظر استقراری ڈالنے سے ثابت ہو گیا ہے کہ کوئی حکیم یا فیلسوف ان علوم ومعارف کا دریافت کرنے والا نہیں گزرا۔ لیکن اس جگہ عجیب بر عجیب اَور بات ہے یعنی یہ کہ وہ علوم اور معارف ایک ایسے امی کو عطا کی گئی کہ جو لکھنے پڑھنے سے ناآشنا محض تھا۔ جس نے عمر بھر کسی مکتب کی شکل نہیں دیکھی تھی اور نہ کسی کتاب کا کوئی حرف پڑھا تھا اور نہ کسی اہل علم یا حکیم کی صحبت میسر آئی تھی۔ بلکہ تمام عمر جنگلیوں یا وحشیوں میں سکونت رہی انہیں میں پرورش پائی اور انہیں میں سے پیدا ہوئے اور انہیں کے ساتھ اختلاط رہا۔ اور آنحضرت ﷺ کا اُمّی اور ان پڑھ ہونا ایک ایسا بدیہی امر ہے کہ کوئی تاریخ دان اسلام کا اس سے بے خبر نہیں۔'' (براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد اول، صفحہ: 563-561)

نیز فرمایا: ''قرآن شریف ایسا معجزہ ہے کہ نہ وہ اول مثل ہوا اور نہ آخر کبھی ہو گا۔ اس کے فیوض و برکات کا در ہمیشہ جاری ہے اور ہر زمانہ میں اسی طرح نمایاں اور درخشاں ہے جیسا آنحضرت ﷺ کے وقت تھا۔'' (ملفوظات، جلد سوم، صفحہ: 57)

اسی طرح حضور اپنے ایک عربی شعر میں فرماتے ہیں کہ تمام علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن انسانوں کی عقلیں اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اور اپنے ایک اردو شعر میں فرماتے ہیں کہ:

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

6۔ ہر علم والے سے اوپر ایک علم والی ہستی موجود ہے

چونکہ انسان کا علم محدود ہے لہٰذا کوئی انسان نہ تو علم کلی کا دعویٰ کرسکتا ہے اور نہ یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اسے تمام تر علم حاصل ہو گیا ہے۔ علم عطا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے اور جتنے علم سے نوازنا چاہتا ہے وہ نواز دیتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (یوسف: 77) اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والی ہستی پائی جاتی ہے۔ اس آیت کے بارہ میں امام راغب لکھتے ہیں کہ: ''علم وفضل کے اعتبار سے ایک انسان دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ علیم کا لفظ (صیغہ مبالغہ) لا کر اس علمی فضیلت کو بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہر شخص اپنے سے کم درجہ کے اعتبار سے علیم ہے۔ گو اپنے سے بلند درجہ عالم کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علیم سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔'' (مفردات امام راغب، زیر لفظ علم)

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''الہام ہی تھا جس کے دیکھنے کے لیے موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر کو خدا نے اپنے ایک بندہ خضر کے پاس، جس کا نام بلیا بن ملکان تھا، بھیجا تھا۔ جس کے علم قطعی اور یقینی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (پس وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی طرف سے بڑی رحمت عطا کی تھی اور اسے اپنی طرف سے علم بخشا تھا۔ الکھف: 66، ترجمہ از مؤلف) سو اسی علم قطعی اور یقینی کا یہ نتیجہ تھا کہ خضر نے حضرت موسیٰ کے روبرو ایسے کام کیے جو ظاہراً خلاف شرع معلوم ہوتے تھے۔ کشتی کو توڑا، ایک معصوم بچہ کو قتل کیا، ایک غیر ضروری کام کو کسی اجرت کے بغیر اپنے گلے ڈال لیا۔ اور ظاہر ہے کہ خضر رسول نہیں تھا اور نہ وہ اپنی امت میں ہوتا نہ جنگلوں اور دریاؤں کے کنارہ پر۔ اور خدا نے بھی اس کو رسول یا نبی کر کے نہیں پکارا۔ مگر جو اس کو اطلاع دی جاتی تھی اس کا نام یقینی اور قطعی رکھا ہے۔ کیونکہ قرآن کے عرف میں علم اسی چیز کا نام ہے کہ جو قطعی اور یقینی ہو اور خود ظاہر ہے کہ اگر خضر کے پاس صرف ظنیات کا ذخیرہ ہوتا تو اس کے لیے کب جائز تھا کہ امر مظنون پر بھروسا کر کے ان امور کو کرتا کہ جو صریح خلاف شرع اور منکر بلکہ باتفاق تمام پیغمبروں کے کبائر میں داخل تھے۔ اور پھر اس صورت میں حضرت موسیٰ کا اس کے پاس آنا بھی محض بے فائدہ تھا۔ پس جبکہ بہر صورت ثابت ہے کہ خضر کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے علم یقینی اور قطعی دیا گیا تھا۔ تو پھر کیوں کوئی شخص مسلمان کہلا کر اور قرآن شریف پر ایمان لا کر اس بات سے منکر رہے کہ کوئی فرد بشر امت محمدیہ میں سے باطنی کمالات میں خضر کی مانند نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ ہوسکتا ہے بلکہ خدائے حی وقیوم اس بات پر قادر ہے کہ امت مرحومہ محمدیہ کے افراد خاصہ کو اس سے بھی بہتر و زیادہ تر باطنی نعمتیں عطا فرمادے۔'' (روحانی خزائن جلد 1 براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ در حاشیہ نمبر 1 صفحہ 295-294)

امام راغبؒ قرآن مجید کی آیت وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ: 12) یعنی جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ: ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی گئی ہے کہ مراتب علم کے اعتبار سے علماء کے بھی مختلف درجے اور مرتبے ہیں''۔ (مفردات امام راغب، زیر لفظ علم)

قرآن کریم، فرقان حمید اللہ تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں نازل کی جانے والی کتاب ہے جو اپنی وسعت اور ہمہ گیری کی بناء پر انسانی عقل وفکر کے لیے قیامت تک کے ہر دور اور ہر زمانہ کے لیے رہنما ہے۔ اس کے مضامین اس وقت بھی کھلتے رہے جب اس کا نزول ہو رہا تھا اور رہتی دنیا تک اس کے نئے نئے مطالب ومضامین کھلتے رہیں گے۔ اور یہی ایک بات ہی قرآن کریم کا سب سے بڑا اعجاز ہے۔ قرآن کریم کا اصل معلم تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اس کلام کا نازل کرنے والا ہے۔ اس کے بعد دوسرا معلمِ قرآن رسول اللہ ﷺ کا مطہر وجود تھا جس پر یہ کلام نازل کیا گیا۔ آپؐ کے اصحابؓ نے آپؐ ہی سے قرآن کے معانی ومطالب سیکھے تھے۔ باوجود اس کے کہ قرآن صحابہؓ رسول ﷺ کی اپنی زبان عربی میں نازل ہو رہا

تھا پھر بھی انہیں اس کے معنی سمجھنے کے لیے ایک معلّم اور رہنما کی ضرورت تھی اور وہ رسول اللہ ﷺ خود تھے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ''سب سے زیادہ قرآن کریم کے معنی سمجھنے والے ہمارے پیارے اور بزرگ نبی حضرت رسول اللہ ﷺ تھے۔ پس اگر آنحضرت ﷺ سے کوئی تفسیر ثابت ہو جائے تو مسلمان کا فرض ہے کہ بلا توقف اور بلا دغدغہ قبول کرے نہیں تو اس میں الحاد اور فلسفیت کی رگ ہوگی۔'' (برکات الدعا، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 18)

رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہؓ کا طریق تھا کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ نے کوئی بات دریافت فرمائی تو اُن کا یہی جواب ہوتا تھا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ صحابہؓ نے آپؐ سے صرف تیرہ اہم سوال پوچھے تھے جن کا جواب وحی الٰہی میں دیا گیا اور وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔ علم میں خاص مقام رکھنے والے کبار صحابہؓ کو بھی اگر قرآن کریم کے معانی کے سمجھنے میں مشکل آتی تو رسول اللہ ﷺ سے یا اپنے کسی ساتھی سے دریافت فرما لیا کرتے تھے۔

7۔ علم کی فضیلت

علم کی فضیلت کا اندازہ تو اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جب آخری شریعت قرآن کریم کو نازل فرمایا تو سب سے پہلی وحی میں علم اور پڑھنے پڑھانے کا درس ہی انسانوں کو دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ...... پڑھ اپنے ربّ کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے زیادہ معزز ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (العلق: 2-6)

اسلام کی بنیاد اس یقینی علم پر رکھی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کی صورت میں نازل ہوا تھا اور مسلمانوں کے لیے تمام علوم کا سرچشمہ قرار پایا تھا۔ اسلام میں سچے علم کو وہ مقام حاصل ہے جو ایمان کے بعد کسی اَور چیز کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں علم کے حصول کیلئے بہت زیادہ تاکید ملتی ہے۔ علم کی فضیلت کے بارہ میں قرآن اور احادیث میں بہت کچھ مذکور ہے۔ اور اسی فضیلت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلیٰ کُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَۃٍ" (سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء) کہ علم کا حصول ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ عبداللہ ابن مبارکؒ (تابعی) اس حدیث کے بارہ میں فرماتے تھے کہ اس سے مراد وہ علم نہیں جسے لوگ حاصل کرتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ آدمی کو اپنے دین کی کسی بات میں شک ہو تو سوال کرنا فرض ہے تاکہ شک دُور ہو جائے۔ اسی طرح اسحاق بن راہویہؒ فرماتے تھے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وضو، نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ ضروریات دین کا علم حاصل کرنا لازمی ہے۔ (جامع بیان العلم، از ابن عبدالبر، صفحہ 43)

مذکورہ بالا حدیث بھی دراصل سورۃ توبہ کی آیت 122 ہی کی تفسیر تھی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مومنوں کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ سب اکٹھے ہو کر تعلیم دین کیلئے نکل پڑیں۔ پس کیوں نہ ہوا کہ ان کی جماعت میں سے ایک گروہ نکل پڑتا تاکہ وہ دین پوری طرح سیکھتے اور اپنی قوم کو واپس لوٹ کر ہوشیار کرتے تاکہ وہ گمراہی سے ڈرنے لگیں''۔ اس آیت میں علم کے حصول کا حکم تمام مسلمانوں کو نہیں بلکہ بعض ہی کو دیا گیا ہے۔ اور اس حکم خداوندی کا بھی یہی مطلب تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی سے واقف ہو بلکہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی پاک و مطہر صحبت میں رہ کر حقیقتاً اسلام کے رنگ میں رنگین ہو جائے۔ اس جماعت کے افراد کا ہر قول و فعل، ان کا اخلاق و کردار تعلیم نبوی کے نتیجہ میں منور ہو سکے۔ تاکہ وہ اپنے وقت کے انسانوں کے لیے نمونہ بن سکیں۔

8۔ جسمانی اور روحانی تین نور

علم نور ہے اور جہالت ایک ظلمت ہے جو علم سے دُور ہوتی ہے۔ جہالت ایک اندھیرا ہے اور اندھیرے کا علاج روشنی ہے۔ دنیا کے اندھیروں کو اللہ تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں سے دور کرتا ہے جیسے کہ فرمایا: وہی ہے جس نے سورج کو ذاتی روشنی والا اور چاند کو نور والا بنایا ہے (سورہ یونس: 6)۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ: اس نے چاند کو ان آسمانوں میں نور کا ذریعہ بنایا ہے اور سورج کو آسمانوں میں ایک دیے کی حیثیت میں بنایا ہے (سورہ نوح: 17)۔

اس کے بالمقابل دل کے اندھیروں کو اللہ تعالیٰ علم کے نور سے دُور کرتا ہے۔

ایک نور اللہ کا ہے جیسا کہ فرمایا: 'اللہ آسمانوں کا بھی نور ہے اور زمین کا بھی'۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا: 'اللہ اپنے نور کے لیے جن کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' (النور: 35)۔ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (البقرہ: 258)

دوسرا نور رسول اللہ ﷺ کا وجود ہے جیسے کہ قرآن مجید میں فرمایا: تمہارے لئے اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب آچکی ہے۔ (المائدہ: 16)

اور تیسرا نور خود قرآن کریم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے تمہاری طرف نہایت روشن نور اتارا ہے (النساء: 175)۔ دوسرے مقام پر فرمایا: اور وہ اس نور کے پیچھے چل پڑے جو اس کے ساتھ اتارا گیا تھا۔ (الاعراف: 158)

پس جس طرح سورج چاند اور ستارے اپنی اپنی جگہ نور ہیں اور ان تینوں نوروں سے دنیا کی ظاہری ظلمات چھٹتی ہیں۔ اسی طرح دوسرے تینوں روحانی نور علم و ہدایت کے سرچشمے ہیں جن سے انسان کے اندرونی اندھیرے چھٹتے ہیں۔ اور قلب و ذہن کو روشنی و جلا ملتی ہے۔

9۔ تفقّہ فِی الدّین ہی اصل بھلائی ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا ثواب موقوف ہو جاتا ہے۔ مگر تین عملوں کا ثواب باقی رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو اور صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

حضرت معاذؓ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم سیکھو، اس کا سیکھنا اللہ پاک کا خوف پیدا کرتا ہے اور اس کی طلب عبادت ہے اور اس کا مذاکرہ تسبیح ہے اور اس کی جستجو میں لگے رہنا جہاد ہے اور جو نہیں جانتا اسے یہ سکھانا صدقہ ہے۔ (جامع بیان العلم ابن عبدالبر، جلد 1 صفحہ 115 الترغیب والترھیب المنذری، جلد 1 صفحہ 52)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''علم و حکمت ایسا خزانہ ہے جو تمام دولتوں سے اشرف ہے۔ دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں۔'' (ملفوظات جلد 7 صفحہ 209)

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے۔ انشاء اللہ)

انصار ڈائجسٹ

فرخ سلطان محمود

"میری پونجی"

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے دورِ ہجرت کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کی عالمگیر تاریخ میں کئی نئے ابواب رقم ہوئے۔ ایک طرف پاکستان میں جبروتشدّد کے نئے سلسلوں کا آغاز ہوا جو آج بھی جاری ہیں۔ تو دوسری طرف جماعت احمدیہ کی فتوحات کا جھنڈا نئے ممالک میں لہرانے لگا اور احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی انسانیت کے لئے خدمات کے نئے پہلو دنیا پر آشکار ہوئے۔ چنانچہ احمدیت کے طفیل حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آنے والے لاکھوں انسانوں کی تربیت کی ذمہ داریوں نے خلافت احمدیہ کے گرد ایسے خدمتگار پیدا کردیئے جنہوں نے اپنے آقا کا دست راست بننے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ لبیک کہا۔ ان خدمتگاروں میں ایسے خاندان بھی شامل تھے جن کے تمام مردوزن اور بچے بھی خدمت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ ان کے ہرفرد میں دینی خدمت کا جذبہ نہایت درجہ قابل قدر اور قابل تقلید تھا۔

ان خاندانوں میں سے ایک گھرانہ درویش صفت محترم شیخ محمد حسن صاحب کا بھی تھا۔ ہم میں سے اکثر ضیافت ٹیم کے ایک نہایت مخلص خدمتگار کی حیثیت سے اُن سے متعارف ہوئے۔ دراصل کئی دہائیوں سے شعبہ ضیافت کے ساتھ اُن کا تعلق لازم وملزوم کی حیثیت سے جاری تھا۔ ضیافت ٹیم کے ممبر کی حیثیت سے وہ ہر فنکشن میں نمایاں نظر آتے خواہ یہ کسی ذیلی تنظیم کا فنکشن ہوتا یا پھر کسی پرائیویٹ تقریب کا ہی سلسلہ کیوں نہ ہوتا!۔ جلسہ سالانہ سے کئی روز قبل ہی آپ اسلام آباد میں ڈیرہ لگالیتے اور جلسہ کے اختتام کے بعد جب تک مہمانوں اور ڈیوٹی دینے والوں کی قابل ذکر تعداد (مقامِ جلسہ میں) موجود رہتی، آپ بھی اسلام آباد میں نظر آتے۔ سالہاسال آپ کا یہی معمول نظر آیا۔ لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ تکان سے چُور محترم شیخ صاحب کو (اُن کے دورِ ضعیفی میں بھی) مَیں نے کبھی کسی کے ساتھ تلخ کلامی کرتے یا شدید ناراض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بعض اوقات کسی مہمان کی طرف سے زیادتی ہوجاتی یا کئی بار ڈیوٹی پر موجود کوئی کارکن آپ کے لئے تکلیف کا باعث بنتا بھی، تو رنج کا اظہار آپ کے چہرہ پر دکھائی تو دیتا تھا لیکن نہ آپ کی خدمت کے انداز میں کوئی کمی آتی اور نہ آپ کی زبان سے کوئی ناشائستہ یا ناگوار بات ادا ہوتی۔ آپ کی یہی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے آپ "بھائی حسن" کے نام سے معروف تھے اور ہر ایک کی نگاہ میں قابل احترام تھے۔ آپ ڈیوٹی دینے والوں کی قدر کرتے اور اُن کا ہر طرح سے خیال بھی رکھتے تھے۔ میرا سالہاسال کا مشاہدہ ہے کہ جو کچھ بھی سٹور میں (اشیائے خوردونوش یا بستر وغیرہ) موجود ہوتا وہ دوسروں کو پیش کردینے میں کبھی تأمل نہ کرتے۔ اگر کچھ کم ہوتا تو بھی بانٹ کر کھلاتے۔ زیادہ ہوتا تو سب کچھ سامنے رکھ دیتے اور دوسروں کی خدمت کرکے جو خوشی اور اطمینان محسوس کرتے اُس کا اظہار آپ کے چہرہ پر دکھائی دیتا۔

محترم شیخ صاحب اپنی خدمات کے طفیل خلفائے عظام اور دیگر بزرگان (خصوصاً حضرت چودھری سر محمد ظفراللہ خان صاحبؓ) کی خاص محبت اور دعاؤں کا مورد بنتے رہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ آپ کے ہمراہ آپ کے اہل وعیال بھی کسی نہ کسی خدمت پر مصروف نظر آتے تھے۔ مثلاً اب سے چوتھائی صدی قبل جماعت احمدیہ برطانیہ کا "اخبار احمدیہ" گویا آپ کے گھر سے جاری ہوتا تھا۔ اس اخبار کے مدیر محترم بشیرالدین سامی صاحب تھے جو آپ کے داماد تھے۔ مینیجر محترم اسلم خالد صاحب آپ کے بیٹے تھے۔ پیکنگ کا کام محترم شیخ صاحب کے گھر پر سارا خاندان مل بیٹھ کر کرتا۔

آج ہمارے پیش نظر ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آراستہ ایک ایسی کتاب ہے جس نے ماضی کے کئی دھندلکوں کو پھر سے روشن کردیا ہے۔ یہ کالم اُس خوبصورت تحریر کا مرہون منت ہے جسے محترم شیخ محمد حسن صاحب کی بیٹی مکرمہ صفیہ بشیر سامی صاحبہ نے قلمبند کیا ہے۔ موصوفہ کی برسوں پر محیط یادوں کا سلسلہ کتاب "میری پونجی" کی صورت میں آج ہمارے پیش نظر ہے۔ منفرد نام کی حامل یہ کتاب کئی پہلوؤں سے اپنی طرز کی دیگر کتب سے ممتاز نظر آتی ہے۔ اس میں نہ صرف کئی خدام دین کے ذاتی اوصاف اور خدمت کرنے کے اُن کے انداز پر روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ تاریخ احمدیت کے حوالے سے بھی اہم معلومات اس کتاب کا حصہ ہیں۔

دیدہ زیب رنگین کور ڈیزائن کی حامل اس مجلد کتاب کے 336 صفحات ہیں۔ کتاب کی ٹائپنگ، سیٹنگ، ڈیزائننگ بہت عمدہ ہیں۔ مؤلفہ کتاب نے اس کتاب میں اپنے سسر محترم سردار مصباح الدین احمد صاحب (سابق مبلغ انگلستان)، اپنی ساس محترمہ حاکم بی بی صاحبہ اور اپنے شوہر محترم بشیرالدین احمد سامی صاحب کے علاوہ اپنے والدین محترم شیخ محمد حسن صاحب اور محترمہ حلیمہ بیگم صاحبہ کا تفصیلی ذکر خیر کیا ہے۔ نیز بعض دیگر افراد کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

کتاب کا انداز بیان نہایت سادہ، سلیس، شستہ اور منظرکشی سے بھرپور ہے۔ عبارت ایسے ایمان افروز واقعات سے مزیّن ہے جنہیں پڑھ کر قاری کا دل خداتعالیٰ اور اُس کے پیاروں کی محبت کا اسیر ہوتا چلا جاتا ہے۔ تحریر ایسی دلچسپ ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے دوران گویا وقت تھم جاتا ہے اور تکان کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اس کتاب کے چند منتخب واقعات اپنے قارئین کی نذر کرتے ہوئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ کسی نہ کسی حوالہ سے آپ یہ کتاب ضرور پڑھنا چاہیں گے۔ ممکن ہے کہ کتاب کے کسی کردار سے آپ واقف ہوں یا پھر خود کو بھی اس کتاب کا ایک کردار محسوس کریں۔

❁ **محترم سردار مصباح الدین احمد صاحب** سابق مبلغ انگلستان ایک صاحبِ کشف و رؤیا، مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ زہدوتقویٰ، عبادت وریاضت ان کی روح کی غذا تھی۔ آپ اکتوبر 1899ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی اور پھر حصولِ تعلیم کا شوق اُنہیں سیالکوٹ شہر لے آیا۔ بچپن سے چونکہ نماز اور عبادت کی عادت تھی سیالکوٹ آکر بھی اُنہیں کسی مسجد کی تلاش ہوئی اور یہی تلاش اُنہیں کبوتراں والی مسجد میں لے آئی جس کے امام حضرت حافظ مولوی فیض الدین صاحب سیالکوٹیؓ ایک تقویٰ شعار اور مرنجان مرنج بزرگ تھے۔ اُن کی خاص نظر اس نیک خصلت نو وارد نوجوان پر پڑی تو اس کے اخلاص کو دیکھ کر تدریس کے

ساتھ ساتھ روحانی فیض بھی عطا کیا۔ چنانچہ یہی تعلق بعد میں قبول احمدیت کا سبب بنا اور 1910ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت عطا ہوئی۔ آپ پانچ بھائی تھے جن میں سے ایک چھوٹے بھائی مکرم سراج الدین صاحب کو بھی قبول احمدیت کی سعادت ملی۔

1915ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خطبہ جمعہ میں خدمت دین کے لیے زندگیاں وقف کرنے کی تحریک فرمائی تو جن افراد نے اس آواز پر لبیک کہا اُن میں محترم سردار مصباح الدین صاحب بھی شامل تھے۔ دراصل آپ کا نام آپ کے والدین نے چراغ دین رکھا تھا۔ لیکن زندگی وقف کرنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو انگلستان بھجوانے سے قبل یہ نام بدل کر مصباح الدین رکھ دیا۔ معنی کے لحاظ سے دونوں کا اگرچہ ایک ہی مطلب بنتا ہے۔

14/اگست 1922ء کو محترم سردار صاحب قادیان سے لندن کے لئے روانہ ہوئے۔ لندن میں تبلیغی مساعی کے دوران کئی اہم واقعات آپ کے ذریعہ سرانجام پائے۔ جن میں شاہ اردن سے احمدیہ وفد کی ملاقات اور تبلیغی گفتگو بھی شامل ہے۔ کرنل ڈگلس کی دریافت میں بھی محترم مولوی مبارک علی صاحب کی راہنمائی میں آپ نے قابل ذکر کردار ادا کیا۔ 1924ء میں ہونے والی ویمبلے کانفرنس میں شمولیت کے لئے حضرت مصلح موعودؓ کی لندن میں تشریف آوری ایک تاریخی موقع تھا۔ اسی موقع پر مسجد فضل لندن کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ بعدازاں حضورؓ کے ہمراہ قافلہ میں شامل ہوکر محترم سردار صاحب انگلستان سے واپس ہندوستان تشریف لے آئے۔

واپس آکر محترم سردار صاحب نے حضورؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے پبلک جلسوں یا مناظروں میں عام طور پر عوام ہی شامل ہوتے ہیں، خواص اپنے خاص ہونے اور وضعداری سے ان جلسوں میں شامل نہیں ہوتے جس کی وجہ سے ان تک ہماری تبلیغ نہیں پہنچتی، اس غرض سے اگر اجازت ہو تو لاہور کے بڑے بڑے رؤسا اور اکابرین کو فرداً فرداً مل کر ان تک حضرت مسیح موعود کا پیغام پہنچایا جائے۔ حضورؓ کو یہ تجویز پسند آئی۔ پھر یہ تجویز انجمن میں پیش ہوئی اور منظوری کے بعد محترم سردار صاحب کو لاہور بھجوادیا گیا۔ آپ نے متعدد ہندو، سکھ اور عیسائی اکابرین کو ان کے گھروں میں جاکر سلسلہ کا تعارف کروایا اور انہیں مختلف لٹریچر قیمتاً دیا گیا۔ اس کارگزاری کا مجلس مشاورت میں ذکر کرتے ہوئے حضورؓ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔

1926ء میں حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری مقرر فرمایا۔ 1928ء میں جامعہ احمدیہ کا آغاز ہوا تو آپ اس کے سٹاف میں شامل تھے۔ لمبا عرصہ ہوسٹل جامعہ کے سپرنٹنڈنٹ بھی رہے۔ نظارت ضیافت میں بھی خدمت کی توفیق ملی۔ افسر استقبال جلسہ سالانہ بھی رہے۔ آپ نے مسجد اقصیٰ میں ''ذکرِ حبیبؑ'' کے نام سے مجالس کا سلسلہ شروع کیا جسے حضورؓ اور دیگر بزرگان نے بہت پسند کیا جبکہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ نے آپ کو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی ایک سرخ رنگ کی شال بھی عطا فرمائی۔

قیام پاکستان کے بعد محترم سردار صاحب چنیوٹ میں آبسے لیکن ربوہ آپ کا اصل مسکن تھا جہاں کثرت سے آمد و رفت رہتی۔

1978ء میں لندن میں کسرِ صلیب کانفرنس میں بھی آپ کو شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ تاریخی اعتبار سے حضرت چودھری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ اور محترم سردار مصباح الدین صاحب دو ایسے وجود تھے جنہیں 1924ء کی ویمبلے کانفرنس اور 1978ء میں صلیب کانفرنس میں شامل ہونے کا موقع ملا تھا۔

محترم سردار مصباح الدین صاحب کی قبولیتِ دعا کے بعض واقعات زیرنظر کتاب کی زینت ہیں۔ آپ ایک بہت اچھے قلمکار بھی تھے اور ریویو آف ریلیجنز میں آپ کے متعدد رشحاتِ قلم شامل ہیں۔

آپ کی وفات یکم اگست 1988ء کو ہوئی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئے۔ حضرت حافظ مختار احمد صاحبؓ شاہجہانپوری اپنی سوانح حیات میں محترم سردار صاحب کے بارہ میں فرماتے ہیں:

وہ جوان ذی خرد مصباح دین روشن خیال
وہ طلبگارِ ضیائے دل کشائے قادیاں
صوفی پاکیزہ طینت ، فلسفی و حق پرست
سر بسر پابندِ آئینِ وفائے قادیاں
روز شب سرمست و سرشارِ مے ذکرِ حبیب
دم بہ دم محو ثنائے مقتدائے قادیاں
خیر خواہِ خلق و نیک اطوار و خوش طبع و خلیق
تابعِ حکم جنابِ رہنمائے قادیاں

✿ **محترم سردار صاحب کی اہلیہ محترمہ حاکم بی بی صاحبہ** ان کی زندگی میں ہی وفات پاگئی تھیں۔ شادی کے بعد قادیان آئیں تو احمدی نہیں تھیں اور نہ ہی قرآن کریم پڑھا ہوا تھا۔ آپ کے گھر والوں نے آپ کو قادیان جانے سے بہت روکا اور ڈرایا کہ وہاں دین خراب ہوجاتا ہے وغیرہ۔ لیکن آپ نے اُن کا دباؤ قبول نہیں کیا اور آخر اپنی ساری چیزیں اور زیور کی قربانی دے کر آپ خالی ہاتھ قادیان آگئیں۔ یہاں ایمان کی دولت سے مشرف ہوئیں، پہلے خود قرآن پڑھا اور پھر ساری عمر دوسروں کو پڑھایا۔ اردو لکھنا پڑھنا بھی یہاں تک سیکھ لیا کہ رسالہ مصباح میں مضمون شائع ہونے لگے۔

آپ تہجدگزار اور رؤیا صالحہ کی نعمت سے بہرہ ور تھیں۔ نہایت قانع اور نظافت اور طہارت کے بارہ میں بڑی حساس تھیں۔ کشادہ دل اور مہمان نواز تھیں۔ گھر کے سامنے آم کا باغ تھا جس میں کئی راہگیر ستانے کے لئے رُک جاتے۔ آپ نے اپنے بچوں کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی کہ ہروقت وہاں پینے کے پانی کا انتظام رکھیں اور صحن کا دروازہ بھی ہروقت اُن انجان مہمانوں کے لئے کھلا رہتا۔ ایک بار تپ دق کے ایک ایسے مریض کی تیمارداری کرتی رہیں جسے اُس کے لواحقین بھی تپ دق کے خوف سے بے یارومددگار چھوڑ گئے تھے۔

تقسیم ہند کے وقت جب دُور دُور سے مسلمان قافلے پناہ کے لئے قادیان پہنچنے لگے تو سامنے کے باغ میں مقیم ایک قافلہ نے رات کو بارش شروع ہونے کے بعد آپ کے گھر کے دروازہ پر دستک دی۔ انہوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو اندر بھجوادیا اور محترمہ حاکم بی بی صاحبہ کا حوصلہ دیکھئے کہ گھر کے تمام بستر، چارپائیاں، غرضیکہ ہر چیز اپنے ان مہمانوں کے سامنے پیش کردی۔ جہاں جہاں جگہ ملی چولہے جلادئے گئے۔ بچوں کا دودھ گرم ہونے لگا۔ روٹیاں پکنے لگیں۔ سٹور میں سردیوں کیلئے جمع شدہ ایندھن اُن پناہ گزینوں کے سپرد تھا۔ پھر لنگرخانہ سے کھانا آنے لگا۔

قیام پاکستان کے بعد جب وہ چنیوٹ میں آبسیں۔ اگرچہ یہاں آمدن کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور لُٹ لُٹا کر پہنچے تھے لیکن اس نئے ماحول میں بہت جلد اپنی جگہ بنالی۔ صبح سے لیکر دن ڈھلے تک مسلسل عورتیں اور بچے قرآن کریم پڑھنے آنے لگے۔ اس ماحول میں وہ ''بے بے'' کے نام سے پہچانی جانے لگیں۔ 1953ء

میں فسادات کی لہر کے دوران انہیں افراتفری میں مکان کو کھلا چھوڑ کر ربوہ جانا پڑا۔لیکن جب حالات سازگار ہونے پر واپس آئے تو دیکھا کہ پڑوسیوں کا یہ اخلاص تھا کہ انہوں نے اس گھر کے احترام کی وجہ سے کسی قسم کا نقصان نہ ہونے دیا۔

جب بھی آپ کو کسی نے مدد کے لئے پکارا تو اپنے حالات خواہ کیسے ہی ہوں آپ نے مدد ضرور کی۔ایک بار کسی سوال کرنے والے کو اپنا آدھا کمبل کاٹ کر دے دیا تا کہ وہ اپنے نوزائیدہ بچہ کو اُس میں لپیٹ کر سردی سے بچا سکے۔ایک روز اچانک کسی مہمان کے آجانے پر دیکھا گھر میں کوئی چیز نہیں تھی، جانے کہاں سے دودھ پتی کا انتظام کیا۔جلانے کے لیے جب کچھ نہ ملا تو جس پیڑھی پر بیٹھی تھیں اُس کو توڑا، آگ جلائی اور مہمان کو چائے پیش کر دی۔

محترم سردار مصباح الدین احمد صاحب اور محترمہ حاکم بی بی صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا۔ بیٹوں میں سے ایک مکرم سردار عبد القادر صاحب مرحوم تھے جنہوں نے 1974ء تک چنیوٹ جماعت کے جنرل سکرٹری کے عہدہ پر کام کیا، 1974ء کے فساد کی وجہ سے چنیوٹ سے جانا پڑا۔ چھ مہینے ربوہ گزارنے کے بعد جب واپس آئے تو 1999ء تک چنیوٹ جماعت کے صدر رہنے کی سعادت ملی۔ پھر جرمنی آکر بھی آخری سانس تک خدمت دین کرتے رہے۔اسی طرح ایک دوسرے بیٹے مکرم ناصر الدین احمد سامی صاحب مرحوم سٹی بینک مری میں اپنے حلقہ کے صدر رہے۔ اِن کے وقت میں جب بھی خلفاء کرام کا مری میں قیام ہوتا تو ان کے گھر بھی مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا۔ ایک تیسرے بیٹے مکرم بشیر الدین احمد صاحب سامی مرحوم تھے۔

✿ **محترم بشیر الدین احمد سامی صاحب** 2 رنومبر 1932ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ میٹرک قیام پاکستان کے بعد چنیوٹ سے پاس کیا۔ کچھ عرصہ دفتر حفاظت مرکز اور بیت المال میں کام کیا۔اس دوران بیمار ہو گئے تو حضرت مصلح موعودؓ نے ازراہ شفقت دو مرتبہ تین تین سو روپے کی رقم سے امداد کی۔ پھر آپ کراچی جا کر نیوی کے ہیڈ کوارٹر میں ملازم ہو گئے۔

زیر نظر کتاب کی زینت محترم سامی صاحب کی بعض تاریخی یادداشتیں بھی ہیں۔آپ بیان کرتے ہیں کہ 1953ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر 28 دسمبر کو حضرت مصلح موعودؓ نے ''سیر روحانی'' کے موضوع پر جو جلالی خطاب فرمایا تھا۔اس کی آڈیو ریکارڈنگ اس وقت جماعت کے پاس موجود ہے۔محترم سامی صاحب اُن دنوں احمدیہ ہال کراچی میں مقیم تھے۔آپ کا بیان ہے کہ اس تاریخی جلسہ کے اختتام کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے جب دفتر والوں سے دریافت فرمایا کہ کیا انہوں نے اس خطاب کو آڈیو پر محفوظ کیا ہے؟ تو جواب نفی میں ملا۔تحریک جدید کے پاس اس وقت ریکارڈ کے لیے دو مشینیں موجود تھیں۔اس کے باوجود یہ تقریر ریکارڈ نہ ہو سکی۔ وجہ یہی بیان ہوئی کہ ریکارڈنگ کے لیے ایک مشین جلسہ گاہ میں موجود تھی۔لیکن اس مشین کی خرابی کی وجہ سے ریکارڈنگ نہ ہو سکی اور دوسری مشین جو درست حالت میں تھی اس کو فوری طور پر مہیا نہ کیا جاسکا۔حضورؓ نے مزید دریافت فرمایا کہ باہر سے کسی اَور دوست نے اس خطاب کو ریکارڈ کیا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ بورنیو سے مکرم ڈاکٹر بدرالدین صاحب نے اپنی مشین پر اسے محفوظ کیا تھا اور وہ ربوہ سے کراچی جا چکے ہیں اور ایک دو روز میں ان کا بحری جہاز بورنیو کے لیے روانہ ہونے والا ہے۔اس پر حضورؓ نے دفتر کے ایک کارکن کو فوری طور پر ریل گاڑی سے کارآمد مشین کے ساتھ کراچی بھجوایا۔مکرم ڈاکٹر صاحب احمدیہ ہال میں مقیم تھے اور اُن کا بحری جہاز اگلی شام روانہ ہونے والا تھا اور اس پر اُن کا سفر کرنا ضروری تھا۔ ورنہ اگلے جہاز کے لیے چار ماہ کراچی میں انتظار کرنا پڑتا۔ چنانچہ فوری طور پر ایک ہی رات میں یہ معرکۃ الآراء خطاب دفتر والوں کی مشین پر منتقل ہوا۔

محترم سامی صاحب 1954ء میں کراچی گئے۔ ملازمت کے ساتھ آٹھ سال آپ کو دین کی خدمت کا موقعہ ملا۔ خدام الاحمدیہ میں چار سال تک متواتر علم اِنعامی حاصل کرنے کا اعزاز بھی بطور معتمد مجلس آپ کو ملتا رہا۔اس دوران حضرت مصلح موعودؓ کی کراچی میں آمد اور قیام کے دوران بھی خاص خدمت کی توفیق عطا ہوتی رہی۔ اخبار ''المصلح'' میں بھی خدمت کی توفیق پائی۔

آپ بیان کرتے ہیں کہ ''المصلح'' اخبار کی انتظامیہ خدام الاحمدیہ کراچی تھی۔ خدام نے اخبار کو روزنامہ تو بنا دیا تھا لیکن وسائل اتنے محدود تھے کہ اس کی مارکیٹنگ کی کوئی صورت نہ تھی اور مجلس پر اخراجات کا بوجھ بڑھتا جارہا تھا۔ اُن دنوں حضرت مصلح موعودؓ کراچی تشریف لائے تو ہم چند خدام اپنے امیر صاحب کے ہمراہ حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دل میں ڈرتے تھے کہ جس ولولہ سے اخبار کو روزنامہ بنایا تھا اس پر پورا اُترنا اب مالی وسائل کے لحاظ سے تو ممکن نہیں رہا تھا۔کس طرح یہ بات عرض کریں گے۔لیکن جب مکرم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب نے اپنا عندیہ عرض کر دیا تو حضورؓ نے فرمایا کہ کس حکیم نے کہا ہے کہ زیر باری قبول کرتے رہو اور اخبار کو چھاپتے رہو۔بس یہ سننا تھا کہ ہماری جان میں جان آئی اور چند منٹوں میں یہ ملاقات یوں ختم ہوئی کہ حساب کتاب کے جو بستے ہم ساتھ لے گئے تھے اسی طرح بند کے بند لے کر واپس ہوئے۔

حضورؓ نے مارچ 1955ء میں علاج کے لئے انگلستان جاتے ہوئے کراچی میں قیام فرمایا۔یہ وہ زمانہ تھا جب کراچی میں اچھی رہائش ایک بڑا مسئلہ تھا۔ باوجود کوشش کے جماعت کراچی کوئی حسب منشاء رہائش کا انتظام نہ کر سکی۔ مجبوراً شہر سے دُور مالیر کی بستی میں گرینڈ ہوٹل کے عقب میں واقع ایک بہت بڑی حویلی میں انتظام کیا گیا۔حویلی میں داخل ہو کر یوں لگتا تھا جیسے مدّتوں اس میں کوئی رہا نہ ہو۔صحن کی بے ترتیبی، در و دیوار کا اُترا پلستر اس حویلی کی سنسانی کا پتہ دینے والے مناظر تھے۔حضورؓ کی تشریف آوری کے بعد ایک روز ہم حویلی پہنچے تو ماحول بدلا ہوا تھا۔فوج کے جوان موجود تھے۔حضورؓ سفید عمامہ، سفید قمیص شلوار کوٹ زیب تن فرمائے وہیل چیئر میں تشریف فرما تھے۔گھٹنوں پر کمبل تھا اور حسب معمول ہاتھ میں چھڑی تھی۔ چند لمحے گزرے تو جناب غلام محمد صاحب گورنر جنرل پاکستان کی سیاہ فلیگ کار اس حویلی میں داخل ہوئی۔وہ کار کی پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔چہرہ پر سنجیدگی اور وقار تھا اور نظریں اشتیاق سے لبریز تھیں۔اُن کو سہارا دے کر فوجی جوان نے کار سے نکالا۔جسم میں لرزہ تھا، کھڑا ہونے کی سکت نہ تھی۔ یہ نحیف و نزار مہمان، آج اپنے چند لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ حضرت اقدسؓ کی تیمار داری کے لیے حاضر ہوا تھا۔ ملاقات ختم ہوئی تو حضورؓ کا یہ بیمار اور بیکس تیمار دار جن سہاروں اور لرزتے ہوئے قدموں سے حاضر خدمت ہوا، اُنہی پر واپس اپنی شاہی سواری میں بٹھا دیا گیا۔ چہرہ پر بلا کی خاموشی، سنجیدگی، متانت اور گہری اداسی کے آثار نمایاں تھے۔

جناب غلام محمد صاحب صبح سے ہی عیادت کے

لیے بے تاب تھے۔ حضورؓ کا بے حد اصرار تھا کہ آپ اپنی صحت کا خیال کریں اور تکلیف نہ اٹھائیں، لیکن جناب غلام محمد صاحب کی بھی اپنی ایک ہی ضد تھی کہ وہ آئیں گے۔ چنانچہ عزم واستقلال کے اس پیکر نے اپنی تمام خستہ حالیوں کے باوجود تیمارداری کا شوق پورا کیا۔ کتنی پیاری تھی ضد جس نے حسرت مٹا کر ہی دم لیا۔

جب حضورؓ انگلستان سے واپس تشریف لائے تو آپؓ کی کوٹھی تعمیر ہوچکی تھی۔ صحت بھی اچھی تھی۔ معمول کے مطابق مصروفیت اور ملاقاتیں شروع ہوگئیں۔ ایک روز خاکسار قیامگاہ پر پہنچا تو دیکھا کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب انتظارگاہ میں بیٹھے ہیں۔ اُن کی زندگی کا یہ بہت نازک دَور تھا۔ تجردانہ زندگی، عمر کے تقاضے، اردو کالج اور ٹرسٹ کے تعلقات میں کشیدگی یہ ساری باتیں اُن کی شخصیت پر براہ راست اثر انداز ہورہی تھیں۔ مالی حالت ایسی ہوچکی تھی کہ نان نفقہ کا بندوبست بھی (بواسطہ حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب) جماعت احمدیہ نے کیا تھا اور مولوی صاحب کو اپنی علمی استعدادوں کو اردوئے معلّٰی کی خدمت کے لئے یکسوئی کے ساتھ ابھرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ یہی وہ عوامل تھے جو انہیں بابائے اردو کا مقام عطا کر گئے۔ حضورؓ کی شفقتوں کو وہ کبھی نہیں بھولے اور آج پھر وہی کشش اُنہیں اس دربار میں لے آئی تھی اور وہ حضورؓ کی عنایتوں سے جھولی بھر کر واپس لَوٹے۔

1960ء میں ایئر ہیڈکوارٹر کراچی سے پشاور منتقل ہوا تو اس موقع پر جماعت کراچی نے سامی صاحب کو دعاؤں اور اعزاز سے رخصت کیا۔ خدام الاحمدیہ کی طرف سے سپاس نامہ بھی پیش کیا گیا جس میں آپ کی خدمات پر شکریہ ادا کیا گیا۔ بعدازاں پشاور میں بھی جماعتی اور خدام الاحمدیہ میں محترم سامی صاحب کی خدمات کا سلسلہ جاری رہا۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنی تعلیم کو بھی جاری رکھا۔ اور منشی فاضل، ادیب فاضل اور بی اے کرلیا۔ شادی مارچ 1964ء میں ہوئی جس کے بعد ایم اے بھی کرلیا۔

پھر اپنے حالات کا جائزہ لینے کے بعد آپ نے یورپ جانے کا پروگرام بنایا اور ایک قافلہ میں شامل ہوکر سڑک کے ذریعہ آٹھ ممالک سے ہوتے ہوئے تین ماہ کے بعد جرمنی پہنچ گئے۔ اس سفر میں کوئی زادِراہ پاس نہیں تھا۔ محض کچھ سامان ساتھ لے کر گئے تھے جو راستہ میں بیچ کر گزارا کرنا تھا لیکن اس کا بھی فائدہ نہ ہوا۔

جرمنی کی احمدیہ مسجد پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہاں قیام کی اجازت نہیں ہے۔ اس پر وہاں سجدہ میں گر گئے۔ تو خداتعالیٰ نے بھی دعا ایسے قبول کی کہ جب سلام پھیرا تو سامنے اپنی اہلیہ کے ایک کزن کو کھڑے پایا۔ جنہوں نے آپ کی حالت دیکھ کر از خود آپ کو لندن جانے کا مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ خود ساتھ لے جاکر پہنچا بھی دیا۔ لندن میں آپ کے سسرال اور دیگر عزیز موجود تھے اس لئے کچھ آسانی تھی۔ دسمبر کی سرد راتوں میں پہلا کام لاریوں میں ڈبل روٹی لوڈ کرنے کا ملا۔ لیکن شدید سردی نے بیمار کردیا۔ ٹھیک ہوئے تو نیا کام ڈھونڈا۔ آہستہ آہستہ مالی طور پر خودکفیل ہونے لگے۔ دو سال گزرے تو آپ کی اہلیہ اور بچے بھی آپ کے پاس پہنچ گئے۔ اور اس کے بعد مشکلات کا ایک لمبا دَور شروع ہوا جس کا تصور بھی نہیں تھا۔ قانونی کاغذات کی عدم موجودگی کے ساتھ بیماری کا ابتلاء۔ ہسپتال میں داخل رہ کر گھر آئے تو پولیس نے Over Stay کے الزام میں جیل بھیج دیا۔ چھ ہفتہ بعد ضمانت ہوئی۔ آمدنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ فیملی کا بوجھ...... ایسے میں سوائے دعا کے کوئی راستہ نہیں تھا۔

اللہ کے فضل سے مہینوں کا ابتلاء دُور ہوا اور اُس وقت جب آپ کو ڈیپورٹ کرنے کا فیصلہ ہوچکا تھا، 1974ء کے فسادات کی بنیاد پر سامی صاحب کو مستقل Stay مل گیا اور کونسل کی رہائش بھی مل گئی۔ لیکن بدقسمتی سے جہاں رہائش ملی وہاں نسلی تعصب بہت تھا۔ چنانچہ گھر اور کار کے شیشے توڑنے کے علاوہ مہمانوں پر حملے بھی کئے جاتے۔ ایک دن لیٹربکس میں آگ پھینک دی گئی۔ پولیس اور کونسل اس غنڈہ گردی پر قابو نہ پاسکی تو پانچ سال کے بعد آپ کو نئے گھر میں شفٹ کردیا۔ آپ کو ریلوے میں کام مل گیا اور زندگی کچھ آرام سے بسر ہونے لگی۔

1984ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ہجرت کرکے لندن تشریف لے آئے تو سامی صاحب اور اُن کی فیملی نے خلافت کی محبت میں ایک بڑی قربانی دی اور اپنے بڑے، نئے اور مستقل مکان کو چھوڑ کر مسجد کے قریب ایک چھوٹے سے عارضی گھر میں منتقل ہوگئے جس میں کوئی سہولت بھی نہیں تھی۔ لیکن اس قربانی کی برکت سے گھر کا ہر فرد جماعت کی خدمت کی سعادت اور حضورؒ کی شفقت سے بھی حصہ پانے لگا۔

جب سامی صاحب ریٹائر ہوگئے تو آپ نے کوئی دنیاوی کام کرنے کی بجائے اپنی ساری فیملی کو بلا کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ کیا تم لوگ میری پینشن پر گزارہ کرلو گے تاکہ مَیں زندگی وقف کرسکوں۔ اور اس کے بعد محترم سامی صاحب نے جماعت کی خدمت کے لئے دن رات گویا ایک کردیا۔ 'اخبار احمدیہ' کے دس سال تک ایڈیٹر رہے، مرکزی جرائد کے نمائندہ تھے۔ مجلس انصاراللہ برطانیہ کے دو سال نائب صدر اور امام مسجد فضل لندن کے 14 سال تک معاون رہے۔ جلسہ سالانہ کے سالہاسال ناظم پروگرام واشاعت رہے۔ تاریخ احمدیت یوکے کی تدوین کے لئے انتھک محنت کی۔ انٹرنیشنل جامعہ احمدیہ کے سیکرٹری بھی رہے۔

محترم سامی صاحب خدمت خلق میں ہمیشہ مستعد رہے۔ دراصل آپ خود جن تکالیف سے گزر چکے تھے، نہیں چاہتے تھے کہ دوسرے اُن میں مبتلا رہ کر دُکھ اٹھائیں۔ چنانچہ بے شمار لوگوں کی مدد کی جن میں بڑی تعداد غیراز جماعت اور غیرمسلموں کی بھی ہے۔ کئی لوگوں کو آپ کی وجہ سے ہدایت بھی نصیب ہوئی۔

خداتعالیٰ آپ کو کثرت سے سچے خواب دکھاتا جو پورے ہوجاتے۔ وفات سے قبل اپنی اہلیہ کو بتایا کہ آئندہ خلیفہ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ہوں گے۔ نیز اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے خواب سنایا کہ حضرت مصلح موعودؓ لینے آئے ہیں۔ پھر صبر کرنے کی تلقین کی۔

آخر تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ شدید بیماری میں بہت صبر سے گزار کر 31 جولائی 2001ء کو وفات پاگئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ازراہ شفقت مرحوم کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دعا بھی کی۔

آپ کی وفات پر متعدد افراد نے نثر اور نظم کے ذریعے آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور خدمات پر روشنی ڈالی۔ آپ دھیمے مزاج کے کم گو، متقی اور پارسا انسان تھے۔ چہرہ پر ہمیشہ ایک معصوم سی مسکراہٹ رہتی تھی۔ ہر کس وناکس سے بڑی تپاک سے ملا کرتے تھے، کبھی کسی سے جھگڑا یا شکررنجی نہیں ہوئی۔ خوش خلق، خوش مزاج اور خوش لباس تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے)

نوٹ: اگر آپ بھی اپنی کسی پسندیدہ کتاب کا تعارف "انصار ڈائجسٹ" کی زینت بنانے کے خواہشمند ہیں تو براہ کرم درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں:

07947408144